تمہید

ابھی چند روز ہوئے کہ ابن طفیل کی لاجواب کتاب یقظۃ الروح کا انگریزی ترجمہ میری نظر سے گزرا۔ واقعی جیسی مترجم انگریزی کی رائے ہے۔ تمام عربی فلسفی تصنیفات میں بے نظیر ہے۔ نہ یہ کہ اس سے بہتر کوئی کتاب اس علم پر عربی میں تصنیف ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ اس طرز خاص سے فلسفی خیالات کو قصہ کے پیرایہ میں لکھنے کا شاید اس فاضل سے پہلے کسی کو خیال بھی نہ آیا ہو۔ تنہا خوری اچھی نہ معلوم ہوئی۔ لہذا اُردو میں ترجمہ کرکے یارانِ وطن کو بھی اس خوانِ نعمت کا ذائقہ چکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصل رسالہ کا دستیاب ہونا چونکہ نہایت دشوار تھا۔ اس لئے قول مشہور مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ پر عمل کرنا پڑا۔

مترجم انگریزی نے جو تنقید کی ہے اُس سے کمترین کو پورا اتفاق ہے۔ مگر اوکلے صاحب کی رائے جو مترجم نے اختیار کی ہے وہ کسی قدر لاابالی معلوم ہوتی ہے۔ جو شخص اس قصہ کو ذرا تامل و غور سے

پڑھیگا اُس کو صاف معلوم ہوجائیگا کہ مصنّف کا مقصود اصلی صرف عقلِ انسانی کی بلا مددِ غیری ترقیوں کا بیان ہے بلکہ یہ دکھلانا ہے کہ عقل جب معراجِ کمال پر پہنچ جائے تو اُس میں اور مذہب میں ذرا بھی اختلاف باقی نہیں رہتا یعنی اصلی مذہب اور سچّا فلسفہ حق کے دو فوٹو ہیں جو مختلف کیمروں کے ذریعہ سے مختلف اوقات میں لئے گئے ہیں۔ اور تشبیہوں اور استعاروں اور اُن زوائد سے جو وقت اور مقام کا لحاظ کرکے بمصلحت اُن میں اضافہ کی گئی ہیں۔ پاک کردیا جائے تو دو نو یک جان و دو قالب ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ سات سو برس پہلے بھی مذہب کی بعید از قیاس باتوں کی نسبت محققین کی یہی رائے تھی جس کو سر سید علیہ الرحمۃ و الغفران نے ظاہر اور شائع کرکے نئی تعلیم والوں کو لامذہبی سے بچایا۔ افسوس کہ اُس زمانے کی پبلک کے مذاق نے مصنّف کو ایجاز و اختصار پر مجبور کیا۔ اگر بجائے ایک کہانی کے کوئی ناول اس مضمون پر لکھا گیا ہوتا۔ تو کس قدر دلچسپ اور موثر ہوتا۔ بجائے خاک کے رنگ و روغن سے درست تصویر پیش کی گئی ہوتی تو کس قدر دلفریب و دلربا ہوتی۔ مگر جب ہم اُس زمانے کے عام طرز تحریر پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ تمام مصنّف اور انشاپرداز تقلید کی رسیوں سے کیسے جکڑے ہوئے تھے۔ تو جتنی آزادی سے مصنّف نے کام لیا ہے وہ نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے اُس زمانے کے دوسرے مصنّفوں نے جو "متن متین" لکھے ہیں

ان میں تو شروع سے آخر تک پتھر ہی پتھر بھرے ہوئے ہیں۔ ہر جملہ ایک پہیلی اور ہر فقرہ ایک معمّا ہے۔

اسی اختصار کا نتیجہ ہے کہ بعض جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہموار و مضبوط سطح پر چلتے چلتے پھُسپھُسی زمین میں پاؤں جا پڑا۔ یعنی چند مقام پر تنظیم کلام ایسی سُست ہو گئی ہے کہ خیالات بھی بعید از قیاس معلوم ہونے لگے ہیں۔ مثلاً چڑیوں کے گھونسلے دیکھ کر فنِ عمارت کا خیال آنا نہایت بے تُکی بات معلوم ہوتی ہے مگر مصنّف کا خیالِ اصلی جس کو اختصار کے سبب بوضوح نہ بیان کر سکا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض چڑیوں کے گھونسلوں میں مختلف اغراض کے لئے مختلف خانے دیکھ کر اُس کو مختلف کوٹھریاں بنانے کا خیال پیدا ہوا نہ یہ کہ مٹّی یا اینٹ کی دیواریں بنانا پرندوں کے آشیانوں کی ساخت سے سیکھا۔ اسی طرح اصل کا حی سے ملاقات ہوتے اُس کے مراقبہ میں خارج نہ ہونے کے خیال سے بھاگنا ایک عجیب حرکت معلوم ہوتی ہے۔ اگر یوں کہا جاتا کہ اس خیال سے اصل نے آگے بڑھنا اور بات چیت کرنا مناسب نہ جانا اور وہیں سے واپس ہوا۔ مگر جب حی اُس کے پیچھے ہوا تو ڈر ایسا غالب ہوا کہ بھاگ کھڑا ہوا تو بالکل قرینِ قیاس بات ہو جاتی مگر ظاہر ہے کہ سوائے اختصار پسندی کے ایسا نہ کرنے کی اور کوئی وجہ نہیں۔ ایسے ہی چند اور مقامات بھی ہیں۔ جن کی تفصیل طول لاطائل ہو گا

اسی طرح اس قصّہ کے دو ایک حصّوں کو زمانہ کے ہاتھ سے بھی سخت صدمہ اور نقصان پہنچا ہے جس کا تدارک باوجود انتہائی دوربینی کے بھی

مصنّف کے امکان سے باہر تھا۔ یعنی سائنس اور ریاضی کی بعض باتیں جن کا قصّہ میں ذکر آگیا ہے اُس زمانہ میں مُسلّم تھیں۔ مگر اس زمانہ میں غلط ثابت ہوگئی ہیں جیسے افلاک اور اُن کے نفوس کا بیان *

مگر ناظرین کی دلچسپی کو ابتدا سے انتہا تک قائم رکھنے کی کیا اچھی تدبیر کی ہے کہ قصّہ کے اوّل و آخر کو جہاں تک ہوسکا ہے سہل اور دلکش بنایا ہے اور فلسفہ کے دماغ تھکانے والے خیالات کو جن کا سمجھنا لوہے کے چنے چبانا ہے بیچ میں درج کیا ہے تاکہ پڑھنے والا شروع کرتے ہی گھبرا نہ جائے اور آخر میں جو مذہبی خیالات کا خوان نعمت چُنا ہے اُس کے اشتیاق میں درمیانی بدمزہ لقموں کو بھی رغبت سے کھا جائے۔ شروع قصّہ میں تو چونکہ دماغ کی ابتدائی ترقی کا بیان ہے۔ اُس کا سہل ہونا ویسے بھی ضروری تھا مگر آخری حصّہ کو جو قصّہ کی غایت ہے خوب صورت اور دلفریب بنانا مصنف کی نہایت دوربینی کی دلیل ہے *

قصہ کا نام یقظۃ الروح (روح کی بیداری) کس قدر مناسب ہے۔ اسی طرح حی (زندہ) یقظان (بیدار) اصل (جڑ) اور سلمان (مائل بہ سلامت) کے ناموں کی موزونیت اور مسمّٰی کے حالات سے مطابقت محتاج بیان نہیں *

آخر میں اتنا اور عرض کرنا ہے کہ اس ترجمہ میں جتنے فٹ نوٹ ہیں اُن کا ذمہ وار نہ مصنّف ہے نہ مترجم انگریزی۔ وہ سب نیاز مند کے اضافہ کئے ہوئے ہیں *

تمہید ترجمہ انگریزی

دنیا کو دو انگریزی فاضلوں ایڈورڈ پوکاک (پدر و پسر) کا ممنون ہونا
چاہیئے کہ ایک نہایت دلفریب عربی تصنیف کو جس پر عربی فلسفہ جتنا ناز
کرے بجا ہے گمنامی سے نکال کر دوبارہ زندہ کیا۔ عربی فلسفہ جس کی نسبت
عام خیال ہے باوجود مختلف الجنس فلسفی نظاموں کو جمع اور مخلوط کر لینے
کے بھی بالکل روکھا پھیکا۔ دلکش طرز بیان کے حسن و دلفریبی سے عاری
اور بذلہ سنجی اور زندہ دلی کی جھلک سے محروم ہے۔ افسوسناک غفلت اور
بے توجہی کے صدمے سہ رہا ہے۔ جن کا وہ کسی طرح مستحق نہیں ٭

میرے خیال میں اس غلط رائے کا اس سے بہتر اور برجستہ رد نہیں ہو سکتا
کہ حی ابن یقظان کے حیرت فزا قصہ کو ترجمہ کا تازہ خلعت پہنا دیا
جائے یہ فسانۂ عبرت سادگی اور واقعیت کے ساتھ ساتھ شاعری میں
ڈوبا ہوا ہے اور باوجود اس کے ایسے فلسفیانہ مسئلوں سے بھرا ہوا ہے
جن کی نسبت بے اختیار جی چاہتا ہے کہ لوگوں کی دلچسپی کو از سر نو
زندہ کیا جائے ٭

سنہ ۱۶۷۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے مطبع سے زیر اہتمام ایڈورڈ
پوکاک (بیٹا) ایک عربی متن مع لاطینی ترجمہ کے "فلسفہ بلا تعلیم غیری"
کے نام سے شائع ہوا۔ ایڈورڈ پوکاک (باپ) کے زبردست قلم کی لکھی
ہوئی ایک تمہید اس کے ساتھ تھی جو فی نفسہٖ اس امر کا کافی ثبوت تھا کہ

تبحر نے تحقیق کی دستگیری کی ہے کیونکہ یہ دونوں باپ بیٹے بے مثل فاضل تھے اور اپنے زمانہ میں ہی بہت شہرت حاصل کر چکے تھے +

انگلستان نے جو طلبا سے علوم مشرقی پر بڑے بڑے احسان کر چکا ہے آج تک ایڈورڈ پوکاک سے بڑا عربی کا عالم دنیا کے سامنے نہیں پیش کیا - بلاشبہ وہ اپنے عصر اور قوم کی زینت و زیور تھا - اُسکی مشہور تصنیف انموذج تاریخ عرب فی الحقیقت تاریخ - طبیعات - ادبیات اور مذہبی معلومات کا ذخیرہ ہے - تاریخ یوٹی شیوس اور تاریخ ابوالفرج کا اڈیٹر ہونے کی حیثیت سے بھی وہ ایسا ہی مشہور ہوا +

گزشتہ صدی کے عربی کے فاضلوں میں صرف دو شخص ایسے نظر آتے ہیں جو ایڈورڈ پوکاک کے ہم مرتبہ ہیں اور جن کے نام امتیاز اعلی اور نمایاں حرفوں سے لکھنے کے قابل ہیں - یعنی ایڈورڈ ولیم لین جو لغت دانوں کا امام ہے اور ولیم رایٹ جو عربی نحویوں کی رایوں کا نہایت وضاحت سے بیان کرنے والا ہے +

ایڈورڈ پوکاک (باپ) کا اس کتاب کی اڈیٹری میں شریک ہونا ہی درحقیقت اس کی خوبی کی سب سے عمدہ سند تھی - اس عربی فلسفہ اور ادب کے بے بہا گوہر کو کھود کر نکالنا تو باپ کی قسمت میں تھا - لیکن اُس کی تصحیح اور لاطینی ترجمہ سے آراستہ کرنے کا مشکل کام انجام دے کر بیٹے نے بھی سپوت ہونے کا کافی ثبوت دے دیا - اس میں شک نہیں کہ اُس زمانہ میں یہ ترجمہ نہایت قابل تعریف تھا مگر آخری صدیوں میں علوم مشرقی نے

وہ حیرت انگیز ترقیاں کی ہیں۔ اور اس وقت ہمارے پاس جدید تحقیقات کا ایسا مصالح جمع ہے کہ ہم امید کرتے ہیں کہ سخن فہمی کے لحاظ سے ہم اس کتاب لاجواب کا ترجمہ زیادہ مستحکم بنیاد پر قائم کر سکتے ہیں +

"دانش مشرق" نامی سلسلہ کتب کے لئے جب مجھ کو عربی فلسفیوں کی تصنیفات کی تلاش ہوئی تو اس سادہ قصّہ سے زیادہ دلفریب اور دلربا کوئی کتاب ذہن میں نہ آئی +

جہاں تک ہو سکا ہے قدیم مذاق اور طرز ادا کو ترجمہ میں قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ قصّہ کا اصلی مقصد بقول اوکلے کے یہ ظاہر کرنا ہے کہ عقل انسانی بغیر خارجی مدد کے دوسرے عالم کا علم کس طرح حاصل کر سکتی ہے۔ رفتہ رفتہ اپنا ایک اعلیٰ موجود پر موقوف ہونا۔ روح کا غیر فانی ہونا اور دوسرے نہایت اہم مسئلے کس طرح دریافت کر سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ روح کی آگاہی و بیداری اور دماغ کی درجہ بدرجہ اور باقاعدہ ترقی کی تاریخ ہے کہ ابتداً کس طرح اندھیرے میں ٹٹول ٹٹو لکر چلتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ فلسفیانہ تخیّل و فکر کی بلندی تک ترقی کرتا ہے +

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبیاں بے تکلفی۔ طرز ادا کی تصنّع سے پوری آزادی اور صفائی بیان ہیں۔ اِن کا ٹھیک اندازہ اُسوقت ہوتا ہے جب دوسرے عربی فلسفیوں کی بھدّی تصنیفات سے اِس کا مقابلہ کیا جائے +

باوجود اِس بے تکلفی کے دیکھنا کیا قوت خیال ہے اور کیسا گہرا فلسفیانہ
غور و خوض ہے حی ابن یقظان کی جو رابن کروسو کا اصلی نمونہ ہے
کیا محبت انگیز اور دل لبھانے والی تصویر کھینچی ہے *

ایک جزیرہ میں تجرد و تنہائی کی زندگی بسر کرنے والے انسان کی دہشا
طرز معاشرت کو جو ہمہ تن فکر و مراقبہ اور ملاحظہ نفس میں غرق ہے مصنف
نے اپنے حکیمانہ اظہار کا ذریعہ بنایا ہے اور یہ خیالات جو فانوس خیال
کی طرح شکلیں بدلتے ہیں۔ اُس زمانہ کی معلومات کے دائرہ پر محیط سے
محیط تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یعنی جغرافیہ۔ طبعیات۔ ہیئت اور پیدائش
عالم وغیرہ سب علوم سے بقدر ضرورت بحث کی ہے *

مصنف فسانہ ابن طفیل اگرچہ ان عربی فلسفیوں کے گروہ میں جن کا
گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں اسپین مامن بن رہا تھا۔
کچھ بہت ممتاز نہیں خیال کیا گیا ہے۔ تاہم اُس کا نام سینکڑوں برس
کے بعد بھی زندہ ہے اور رہے گا۔ کیونکہ جو قصّہ اُس نے دنیا کی نذر کیا
ہے۔ اُس میں وہ لازوال خوبصورتی اور تازگی ہے جو کبھی مٹنے والی نہیں *

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی زندگی حوادث دہر سے ایسی
ہی خالی تھی جیسی اُس زمانہ میں اکثر علماء اور حکماء کی زندگی ہوا کرتی
تھی۔ مگر نہائت افسوس ہے کہ خاص حالات کچھ بھی معلوم نہیں *

اندلسیہ کا چھوٹا سا شہر غادی اُس کا مولد ہے۔ تحصیل سے فارغ
ہو کر غرناطہ میں کاتب یا سیکرٹری کے عہدہ پر ممتاز ہوا۔ بعد ازاں

ابو یعقوب کا جو خاندان الموحدین میں سے تھا وزیر اور طبیب خاص ہو گیا۔ ۱۱۸۵ء میں مراکش میں وفات پائی۔ حی ابن یقظان کے قصہ کے علاوہ چند معمولی نظمیں اور یادگار چھوڑیں۔ مگر اُس کی خاص تصنیف جس نے اُسے حیاتِ جاوید کا خلعت پہنا دیا وہ یہی "فلسفی بلا تعلیم غیری" ہے ؛

اس قصہ میں تاریخ اور فسانہ دونوں سے مدد لی گئی ہے مثلاً حی کی ماں کا اُس کو صندوق میں رکھ کر اُس کو سمندر کے حوالہ کرنا صاف حضرت موسےؑ کے قصہ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ہرنی کا حی کو پرورش کرنا رومتہ الکبرا کے بانیوں اور فریدوں کی داستان کو یاد دلاتا ہے[1] ؛

اِس کے ترجمہ سے میری ذاتی غرض صرف یہ تھی کہ گو تھوڑی ہی دیر کے لئے سہی روح کو ہر روزہ زندگی کے شور و شغب رنج و تعب سے جس کے دورۂ محنت و زحمت و پریشانی نے طبیعت کو پژمردہ بلکہ جان سے بیزار کر دیا تھا۔ نجات دوں اور جان تاریک کو اُس آفتاب عقل کے پرتو سے روشن کروں۔ جس کی اس سادہ قصہ میں تصویر کھینچی گئی ہے جو باوجود دنیا کو بدل دینے والے خیالات سے پر ہونے کے بلور کی طرح شفاف ہے ؛ کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اگر اس عربی فلسفہ کے لعل گرانبہا کے دوبارہ زندہ کرنے سے ناظرین کو بھی ویسا ہی فائدہ اور حظ حاصل ہوا جیسا خود مجھے حاصل ہو چکا ہے تو میں سمجھونگا کہ محنت ٹھکانے لگی اور جانفشانی کی پوری داد ملگئی ؛ پال برنل

[1] اس قسم کی تلمیحات کو ہم انشاءاللہ نوٹوں میں بیان کرتے جائینگے ؛

یقظۃ الروح

برتو عقل آمد این افسانہ نیست آشنا داند کہ این بیگانہ نیست

حی[1] ابن یقظان[2] کی پیدایش کی مختلف روایتیں

ہمارے بزرگ (خدا اُن پر رحمت کرے بے نہایت) روایت کرتے ہیں کہ بحر ہند کے جزیروں میں معتدل[3] النہار کے قریب ایک جزیرہ ہے جہاں انسان بغیر ماں باپ کے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی جزیرہ میں ایک درخت ہے جس سے عورتیں وجود میں آتی ہیں اور یہی وہ عورتیں ہیں جن کو مسعودی نے ایکار و قواق کا خطاب دیا ہے ٭

یہ جزیرہ روشنی اور حرارت آفتاب کے لحاظ سے نہایت معتدل بلکہ بہترین مقام ہے۔ لیکن یہ ایسی رائے ہے جو بڑے بڑے فلسفیوں

---

[1] زندہ [2] بیدار [3] وہ دوائر آسمانی جس پر سورج آتا ہے تو دن رات برابر ہوتے ہیں ٭

اور مشہور حکیموں کی رائے سے مخالف ہے کیونکہ تمام حکیم تو اس پر اتفاق کر چکے ہیں کہ اقلیم چہارم سے زیادہ معتدل دنیا بھر میں کوئی جگہ نہیں۔ ان حکماء کے خیال میں حی ابن یقظان اُن لوگوں میں سے تھا جو بغیر والدین کے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر اور لوگ اس قصّہ کو دوسری طرح بیان کرتے ہیں۔ اوّل ہم اِسی مشہور روایت کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ

جزیرہ

اس جزیرے سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک اور سرسبز و شاداب جزیرہ تھا جو اپنی صحت بخش آب و ہوا اور میوہ دار درختوں اور آبادی کی کثرت کی وجہ سے شہرہ آفاق تھا۔

رَوضَۃٌ مَاءُ نَھرِھَا سَلسَالٌ　　دَوحَۃٌ سَجعُ طَیرِھَا مَوزُونٌ

(وہ گلزار جسکے جوئبار کا پانی شیریں وخوشگوار ہے)　　(وہ درخت جس کے پرندوں کے گیت موزون ہیں)

بادِ در سایۂ درختانش　　گسترانیدہ فرشِ بوقلموں

اِس زمانہ میں اِس پر ایک مغرور سخت مزاج اور بدگمان بادشاہ حکومت کرتا تھا اُس کی ایک بہن تھی جو حسن وجمال میں بے مثال تھی۔ یہ غیور بادشاہ اِس پری جمال شہزادی کو نہایت احتیاط سے نظر بند رکھتا تھا۔ یا جیسا پرانی کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ بھونرے[1] میں پالتا تھا اور کسی سے نکاح کی اجازت نہ دیتا تھا۔ کیونکہ اس حور وش کے طلبگار و

---

[1] یہ لفظ اصل میں بھونرا بمعنی تہ خانہ تھا۔ کثرت استعمال سے بگڑ کر بھونرا ہو گیا ہے +

ں سے کسی کو بھی اس اعزاز کے لائق نہ سمجھتا تھا[ا] ✦
مگر۔ نگاہ شوق رخنہ کرتی ہے دیوار آہن میں۔ باوجود اس سب
عتیاط و نگرانی کے اُس کے قریبی رشتہ دار یقظان نامی نے شہزادی
ے دل پر قبضہ کر کے ظالم بادشاہ کے خوف سے رائج الوقت شرع یا
سوم کے مطابق خفیہ نکاح کر لیا۔ بہت عرصہ نہ گزرا تھا کہ شہزادی کا
نل مراد بار آور ہوا۔ اور ایک بیٹے کی ماں بن گئی ✦

حی کی ماں کا اسے سمندر کے حوالے کرنا

رسوائی اور افشائے راز کے خوف سے بیچاری ماں نے چھاتی
پر پتھر رکھ کر بچے کو اچھی طرح دودھ پلا کر ایک صندوق میں
رکھ کر مقفل کیا اور اپنے ایک دو سب سے زیادہ معتمد ملازموں
کے ساتھ صبح کے دھندلکے میں با دل بریاں و چشم گریاں محبت
و خوف کی کشمکش سے مضطرب و پریشاں صندوق کو سمندر کے
کنارے لے گئی اور با مژہ خونچکاں نہایت شفقت سے لختِ جگر
کی نورانی پیشانی کا بوسہ لیکر یوں دعا کرتی ہوئی اُس سے رخصت
ہوئی " اے خالق بندہ نواز تو نے اس معصوم کو نیست سے ہست کیا۔ او

[ا] یہی جھوٹی غیرت تھی جس نے شاہان مغلیہ کو اپنی لڑکیوں کی شادی سے روکا حتےٰ
کہ اورنگ زیب جیسا پابندِ مذہب بادشاہ بھی اس بیہودہ رسم خاندانی کو توڑ نہ سکا اور
اس خود کامی سے یہاں تک بدنامی کی نوبت پہنچی کہ بیرنیر جیسے متعصب لوگوں کو باپ کو
بیٹی سے متہم کرنے کا موقع ملا۔ اسی جھوٹی غیرت نے زمانہ جاہلیت میں عربوں کو بیٹیوں
کو زندہ دفن کرنے کی وحشیانہ حرکت سکھائی ۱۲

جب یہ میرے پیٹ کی اندھیری کوٹھری میں محبوس تھا تو تو نے ہی اُسکی تربیت اور پرورش فرمائی۔ تو نے ہی حفاظت و نگہبانی کی۔ یہاں تک کہ اِس کی خلقت کامل ہوئی۔ خداوندا! یہ تیری عاجز اور لاچار لونڈی ایک مغرور ظالم اور بیرحم بادشاہ کے خوف سے ڈرتے لرزتے تیری امانت کو پھر تیرے فضل و کرم کے حوالے کرتی ہے۔ اے ستّار اے غفّار تو اپنی رحمت کے وسیع دامن میں اِس کو چھپالے۔ اے کارساز تو ہمیشہ اس کا ہادی و ناصر رہنا اور کبھی اپنے حفظ و امان سے محروم نہ رکھنا" اِس دعا کے بعد صندوق کو مع معصوم کے سمندر کے سپرد کیا[1]۔

سمندر کا مد[2] صندوق کو ایک اور جزیرہ میں پہنچاتا ہے

سمندر کی موجوں نے مد کے زور سے آگے بڑھ کر اُسی رات اُسکو ایک اور جزیرے کے کنارے پر جس کا ذکر ابھی قصہ کے شروع میں آچکا ہے پہنچا دیا۔

اتفاق سے طغیانی کا اس وقت ایسا زور تھا (اور ہر سال یہاں ایک مرتبہ ایسا ہی معمول تھا) کہ موجیں صندوق کو لئے ہوئے سیدھی جزیرہ کے کناروں پر چڑھ گئیں اور اپنی سینہ زوری سے ایک گنجان اور سایہ دار درختوں کے کنج میں لے جا کر رکھ دیا۔ یہ ایک نہایت خوب صورت مقام تھا جو تیز ہوا۔ بارش اور دھوپ سے بالکل محفوظ تھا۔ اور جس میں طلوع و غروب کے وقت سورج

[1] یہ حکایت جیسا تمہید میں بیان ہو چکا حضرت موسٰے ؑ کے قصّہ سے لی گئی ہے۔

[2] جوار بھاٹا۔

کو مطلق بار[1] نہیں ملتا تھا *

جب موجیں واپس آئیں تو وہ صندوق جس میں معصوم[2] بچہ آرام سے پڑا میٹھی نیند سو رہا تھا خشکی پر اس طرح پڑا رہ گیا کہ اُسکے چاروں طرف ریت کے پشتے بندھ گئے تھے اور آزار پہنچانیوالی ہوا اور نیز آیندہ طوفان بحر سے بالکل محفوظ تھا۔ کیونکہ جب ہوا چلتی تھی تو ریت کے ڈھیر لگ جاتے تھے اور کنج میں جانے کے تمام راستے بند ہو جاتے تھے۔ اس لئے طغیانی کا ریلا بھی اس میں گھسنے نہ پاتا تھا *

ایک ہرنی کی بچے پر نظر پڑتی ہے اور اسکی نگہبانی کرتی ہے

جب اس طرح صندوق میں پڑے پڑے عرصہ ہو گیا اور بچے کو بھوک لگی تو اُس نے ہاتھ پاؤں مارنا اور چیخنا شروع کیا۔ قضارا اُس کی آواز ایک ہرنی کے کان میں پہنچی۔ جو اپنے بچہ کی تلاش میں جس کو بھٹ سے نکلتے ہی ایک عقاب اُٹھا کر لے گیا تھا۔ سرگردان و پریشان پھر رہی تھی۔ ہرنی نے جب یہ آواز سُنی تو اپنے بچہ کی آواز سمجھ کر اُس کی سمت تیز دوڑی اور صندوق کے پاس آ پہنچی اور نہایت بیقراری سے فوراً صندوق کو توڑ کر کھولنے لگی۔ صندوق کے بند۔ کیل کانٹے موجوں کے صدموں سے پہلے ہی ڈھیلے ہو چکے تھے۔ ادھر ہرنی نے زور کیا اُدھر بچہ کے

[1] اندر آنے کی اجازت [2] اس لفظ کے لغوی معنے وہی ہیں جو اُردو میں محفوظ کے ہیں مگر گناہوں سے محفوظ شخص کے واسطے خاص ہو گیا ہے چونکہ بچے بھی گناہوں سے بچے ہوئے ہوتے ہیں اردو میں نادان بچہ کے لئے مستعمل ہونے لگا ہے۔ یہاں تینوں معنی کو شامل ہے[2] *

ہاتھ پاؤں مارنے سے بھی تھوڑی بہت مدد ملی۔ آخر صندوق کی سطح بالائی کا ایک تختہ ٹوٹ گیا +

بچہ کی پیاری پیاری صورت دیکھ کر ہرنی کو ایسا رحم آیا اور محبّت نے سینہ میں ایسا جوش مارا کہ دودھ تھنوں سے ٹپکنے لگا۔ چنانچہ اُس وحشی نے اُسے پیٹ بھر کے دودھ پلایا اور جب تک وہ خود اپنی مدد کرنے کے قابل نہ ہوگیا۔ برابر وہاں آیا اور اُس کی خبر گیری کیا کی[1] +

---

[1] جیسا انہید میں بیان کیا گیا ہے یہ کہانی فریدوں اور بانیان روما الکبرا کے قصّہ سے ملتی جلتی ہے۔ فریدوں کے قصّہ سے تو شاہنامہ اُردو کی بدولت غالباً ہر ایک اُردو خواں واقف ہوگا۔ بانیان روما کا قصّہ یوں ہے کہ نومیطور بادشاہ البا کو اُس کے بھائی امولیوس نے تخت سے محروم کیا اور خود بادشاہ ہوگیا۔ نومیطور کی بیٹی ریہ سلویہ ایک مشہور دیبی کی پوجاری بن چکی تھی اور کنواری رہنے کا عہد کرچکی تھی +

مگر خداوند مریخ اِسکو دیکھ کر از خود رفتہ ہوگئے اور اسکی محبّت کا دم بھرتے رہے۔ ظالم چچا نے نومیطور کی نسل مٹانے کے لئے بیگناہ بھتیجی اور اُسکے جوڑواں بچوں کو اِس مذہبی وعدہ خلافی کی سزا میں خداوند مریخ کے تعلقات کا ذرا خیال نہ کرکے دریائے ٹائبر میں ڈال دینے کا حکم دیدیا۔ جس گہوارہ میں رکھکر بچے دریا میں پھینکے گئے تھے وہ اتفاق سے صحیح سلامت کنارہ پر جا لگا۔ ایک بھیڑن کے دل میں اِن بیکسوں کو دیکھ کر ایسی محبّت پیدا ہوئی کہ ان کو دودھ پلا کر اپنے بھٹ میں لیجا کر پرورش کرنے لگی۔ پھر ظالم بادشاہ کے گڈریے فاسطولوس کی اُن پر نظر پڑی۔ اُٹھا کر گھر لیگیا اور بیوی کے سپرد کیا۔ رامولوس اور ریموس نام رکھا۔ اس طرح تربیت پاکر یہ دونو بھائی بڑے ہوئے تو مریخ کا اثر رنگ لایا۔ آخر امولیوس سے نانا کا بدلہ لیا اور ایک نئے شہر کی نیو ڈالی جو بڑے بھائی کے نام پر روما کہلایا۔

اُس کے بڑھنے اور بلوغ کو پہنچنے کا حال تو ہم آگے بیان کرینگے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی ولادت کی دوسری روایت بھی نقل کر دی جائے اوپر جو لکھی گئی یہ تو اُن لوگوں کی روایت ہے جو انسان کے بلاوالدین دنیا میں آنے کے قائل نہیں ❊

ولادت بلاوالدین

مگر جن لوگوں کا بیان ہے کہ وہ زمین سے بغیر ماں باپ کے پیدا ہوا تھا وہ کہتے ہیں کہ اُس جزیرہ میں ایک نشیبی حصّہ تھا۔ اُسکی مٹی میں (خدا جانے کتنی مدت میں) ایسا خمیر اُٹھا کہ چاروں کیفیتیں یعنی گرمی سردی خشکی اور تری برابر ہوگئیں۔ یہ خمیری مٹی اگرچہ بکثرت تھی مگر اُس کے بعض حصے اعتدال مزاج کے لحاظ سے اوروں سے بہتر اور جسم کی ساخت کے لئے زیادہ مناسب تھے۔ بیچ کے حصہ کا مزاج سب سے معتدل اور مزاج انسانی کے قریب قریب تھا۔ چونکہ مٹی لیسدار تھی۔ خمیر اُٹھنے سے اُس میں بلبلے سے پیدا ہوتے تھے۔ چنانچہ بیچ کے حصّہ میں بھی جو سب سے زیادہ لیسدار تھا ایک بُلبُلا نمودار ہوا جس کو ایک باریک پردہ نے دو حصوں میں منقسم کر رکھا تھا۔ یہ نہایت معتدل اور روح کی طرح لطیف ہوا سے بھرا ہوا تھا۔ صانع قدیر کے حکم سے اس میں رُوح پھونکی گئی اور اُس کے ساتھ اس طرح پیوست کی گئی کہ حواس تو حواس عقل بھی اِن میں مشکل سے فرق کر سکتی تھی۔ اِس رُوح کو مبدأ فیاض سے اِس طرح فیض پہنچتا تھا جیسے سورج کی روشنی دنیا کو نفع پہنچاتی ہے اور ہزاروں چیزوں کی پیدائش

ـلہ حضرت آدم کی پیدائش کی داستان تقریباً یسی ہے ❊

کا باعث ہوتی ہے +

حی کا بچپن

پہلی روایت کے مطابق (اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے) حی ہرنی کا دودھ پی پی کر پرورش پاتا رہا۔ یہاں تک کر دو سال کا ہو گیا۔ رفتہ رفتہ اُس نے قدم اٹھانا اور چلنا شروع کیا۔ اور آگے کے دانت نمودار ہوئے۔ جب اچھی طرح چلنے پھرنے لگا تو ہر وقت ہرنی کے ساتھ ساتھ رہنے لگا۔ اس وحشی کو اُس سے وہی اُنس تھا اور ممتا تھی جو ماں کو بچوں سے ہوتی ہے۔ ہر وقت اس کی حرکات اور سکنات کی نگرانی کرتی تھی۔ ایسے مقامات پر جہاں میوہ دار درخت ہوتے لے جاتی تھی اور جو میٹھے اور پکے پھل درختوں سے ٹپکتے تھے اُس کو کھلاتی تھی۔ اگر چھلکا سخت ہوتا تو اپنے دانتوں سے توڑ کر دیتی تھی +

بھوک لگتی تو اپنا دودھ پلاتی۔ پیاس لگتی تو کسی شفاف چشمے کے پاس لے جاتی۔ سورج کی کرنوں سے اذیت ہوتی تو اپنے سایہ میں لے لیتی۔ سردی لگتی تو آغوش محبت میں لے کر گرم کرتی تھی شام کو اپنے ساتھ ساتھ مسکن پر لے آتی تھی۔ سمندر کے تذکرے تے وقت وہ جن پردوں پر صندوق میں لٹایا گیا تھا اُن میں سے تھوڑے سے باقی تھے ان کا بستر کر کے اپنے سینہ کی گرمی میں آرام چین سے سُلاتی تھی۔ خواہ یہ دونو صبح کو پھرنے نکلتے یا شام کو اپنے مقام پر پلٹ کر آتے ہرنوں کا غول ہر وقت اُنکے ہمراہ ہوتا تھا اور رات کو بھی ساتھ ہی بسر کرتا تھا +

چونکہ حی کو شائستہ تمیز سمجھ عطا ہوئی تھی اُس نے ان وحشیوں پر

جانوروں کی آوازوں کی نقل

رہتے رہتے بہت جلد آوازیں سیکھ لیں اور ایسی ٹھیک نقل کرنے
لگا کہ اصل و نقل میں فرق کرنا دشوار تھا - بلکہ اور جس چرند پرند کی
آواز کان میں آتی اُس کی ایسی نقل اُتارتا کہ بالکل اصل سے
ملتی جلتی ہوتی - ان سب آوازوں میں سے اُس کو زیادہ تر ہرنی
کی اُس آواز کی ضرورت ہوتی تھی جو مدد طلب کرنے ساتھیوں
کو پاس بلانے یا دور بھگانے کے لیئے نکالی جاتی ہے - کیونکہ تم
جانتے ہو کہ جانور بھی مختلف غرضوں اور مقصدوں کے لیئے مختلف بولیاں[1]
بولتے ہیں - غرض وہ ہرنوں کے ساتھ اس طرح بسر کرنے لگا کہ نہ اُس کو
اُن سے ڈر معلوم ہوتا تھا نہ وہ اُس سے کسی قسم کی وحشت کرتے تھے ۔

پسند و ناپسند

چونکہ چیزوں کے نظر سے غائب ہو جانے کے بعد بھی اُن کی
صورتیں ذہن پر نقش رہتی تھیں اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ بعض کو
پسند اور بعض کو ناپسند کرنے لگا - جانوروں کی حالت غور سے دیکھی
تو اُن کے جسم اُون بال اور مختلف قسم کے پروں سے ڈھکے ہوئے ہیں
سینگوں - دانتوں - کھُروں - کانٹوں اور ناخنوں وغیرہ ہتیاروں میں سے
کسی نہ کسی ہتھیار سے مسلّح ہیں تاکہ اپنی حفاظت اور دفع مضرت کرسکیں -

---

[1] مصنف نے اکثر ایک ایک جملہ میں اُن مسئلوں کی نسبت جو ہزاروں بڑی
بڑی بڑی کتابیں لکھے جانے کے بعد بھی حل نہیں ہوئے ہیں اپنی رائے
کا اظہار کیا ہے - عقل حیوانی اور عقل انسانی میں آج تک بھی کوئی حد
فاصل مقرر نہیں ہوئی ہے ۱۲

اپنے اوپر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ننگا نہتا سُست رفتار اور کمزور ہوں۔ کیونکہ جب کبھی وحشیوں میں اور اُس میں پھلوں وغیرہ پر جھگڑا ہوتا تھا تو ہمیشہ اُسی کو دبنا پڑتا تھا۔ وہ پھل اِس سے چھین کر لے جاتے تھے۔ اور یہ نہ اُن کا مقابلہ کرسکتا تھا نہ بھاگ کر پیچھا چھوڑا سکتا تھا۔

اِس کے علاوہ اُس نے دیکھا کہ ہرن کے بچّوں کے جن کے ماتھے اب تک صاف تھے۔ سینگ نکلنے شروع ہوئے۔ اور اگرچہ ابتداءً وہ بھی کمزور تھے اور بہت بھاگ نہیں سکتے تھے مگر تھوڑے ہی عرصہ میں طاقتور تیز رفتار اور چالاک ہوگئے۔ لیکن اُس میں ایسی کوئی صفت بھی پیدا ہوتی نہ معلوم ہوئی۔ ہرچند غور و خوض کیا کوئی سبب اس کا سمجھ میں نہ آیا۔

جن جانوروں میں کوئی عضو کم یا ناقص تھا اُن میں بھی اپنی طرح عاجز کوئی نظر نہ آیا۔ اس بےبسی اور بےپری کے خیال سے اُس کا دل بہت کُڑھا اور سخت افسوس ہوا۔ بہت سے غور و فکر اور پریشانی دماغ کے بعد ایک عالم یاس میں ان سب نقصانوں کے پورا ہونے کے جن کے خیال سے اسقدر تکلیف ہوتی تھی اُمید ہی چھوڑ دی افسوس اُسے نہ معلوم تھا کہ

مرغک اندر بیضہ پرّان آید و روزی طلبد آدمی زادہ ندارد خبر و عقل و تمیز
آنکہ ناگاہ کسے گشت بچیزے برسید وین بتمکین و فضیلت بگذشت از ہمہ چیز

حاجت پوشش لباس

جب اُس کی عمر سات سال کی ہوئی تو فیصلہ کرلیا کہ اپنی ہی کوشش سے کام لینا اور اپنی مدد آپ ہی کرنی چاہیئے۔ برہنگی سے بچنے کے لئے اُس نے چند چوڑے پتے لیکر بعض کو آگے اور بعض کو

لپیٹا کھجور کے پتوں اور ایک قسم کی گھاس کی پٹی بنا کر کمر میں باندھی مگر تھوڑے ہی عرصہ میں پتے مرجھا کر خشک ہو گئے اور جسم پر سے جھڑ پڑے ❊

مگر اس سے بددل نہ ہوا بلکہ فوراً اور تازہ پتے لے آیا اور اب کی مرتبہ ایک پتہ کو دوسرے پر جما کر دوسرا لباس تیار کیا۔ یہ بھی اگرچہ تھوڑی ہی دیر چلا مگر پہلے سے زیادہ پائدار ثابت ہوا ❊

اس کے بعد ایک روز اُس نے ایک درخت کی شاخ توڑی اور چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں کو علیحدہ کر کے دونوں سروں کو سیدھا اور درمیانی حصہ کو صاف کیا۔ اور لٹھ باز خاں بنکر اُن وحشیوں پر جو اُسکے مقابلہ کی جرأت کرتے تھے حملہ کرنا اور ڈرانا شروع کیا۔ کوئی قوی جانور حملہ آور ہوتا تو اسی حربہ سے اپنی حفاظت کرتا تھا۔ اب اُسے اپنی قوت کا کچھ اندازہ ہو چلا اور سمجھا کہ میرا دماغ ان وحشیوں کے دماغوں سے کہیں افضل ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ سے مجھے اپنی برہنگی کو ڈھانکنے کی تدبیر سوجھی اور اسی نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا ہتھیار بنا دیا کہ اب ان قدرتی ہتھیاروں کی ذرا بھی ضرورت نہ رہی جن کی اس قدر حسرت تھی ❊

وحشیوں سے مقابلہ

پتوں کے لباس کی بار بار مرمت کرتے کرتے تنگ آگیا تو خیال ہوا کہ کسی مردہ جانور کی کھال کے کپڑے بنانے چاہئیں مگر جب دیکھا کہ تمام جانور اپنی جنس کے مُردوں سے گھبراتے ہیں اور نفرت کرتے ہیں تو اس مجوزہ چرمی لباس کے مفید صحت ہونے کی نسبت

کھال کا لباس

شک پڑ گیا۔ آخر ایک مردہ عقاب نظر پڑا جس سے کوئی چوپایہ نفرت نہ کرتا تھا یہ دیکھ کر فوراً دل میں فیصلہ کر لیا کہ اس کی کھال ضرور کام کی ہے۔ بے تکلف بیچارے کی دُم اور بازو کاٹ کر پروں کو پھیلایا اور کھال اُتار کر دو برابر حصوں میں تقسیم کی۔ گویا ظہیر فاریابی نے آپ ہی کی شان میں فرمایا تھا کہ

زکرم مردہ کفن برکشی و مے پوشی میان اہل مروت کہ دارد ست مندد

ایک حصہ کو پیٹھ پر اوڑھا اور دوسرے سے پیٹ اور شرمگاہ کو چھپایا۔ دُم کو پیچھے لگا کر دُم کی کسر بھی باقی نہ رکھی اور بازوؤں کو شانوں پر جما کر قوت بازو بنا لیا۔

اس پوشاک نے مختلف کام دئے۔ اول تو داغ عیوب برہنگی کو ڈھانپا اور جسم کو گرم رکھنے میں مدد دی دوسرے تمام وحشیوں کی نظر میں ایسا مہیب بلکہ لولو بنا دیا کہ مزاحمت تو کیسی کسی کو پاس پھٹکنے کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی صرف دائیہ مشفقہ یعنی ہرنی کی تو البتہ یہ حالت تھی کہ ؂

بہر رنگے کہ خواہی جلوہ مے ساز کہ من آں قد رعنا مے شناسم

وہ تو ہر حالت اور ہر لباس میں اُسے پہچانتی تھی۔ کیونکہ اُن دونوں کی آپس میں محبت کا تو یہ عالم تھا کہ نہ یہ ایک دم اُس سے الگ رہنا پسند کرتا تھا نہ اُس کا اسے ایک لحظہ آنکھ سے اوجھل ہونا گوارا تھا جب وہ بہت بوڑھی اور ضعیف ہو گئی تو حی اُس کو ایسے مقامات پر لے جاتا تھا جہاں بہتر سے بہتر غذا ملتی اور خود میٹھے میٹھے پھل جمع کر کے اُسے لا کر کھلاتا تھا ✦

ہرنی کی موت

اس احتیاط اور خبرگیری پر بھی وہ روز بروز دُبلی اور کمزور ہی ہوتی چلی گئی اور آخر ایک روز بالکل بے حس و حرکت ہو گئی۔ یہ دیکھ کر حی کو وہی صدمہ ہوا جو ایک معصوم بچے کو ماں کے مرنے سے ہوتا ہے۔ جس آواز کا وہ ہمیشہ جواب دیا کرتی تھی اُس آواز سے پکارا مگر صدائے برنخاست۔ آخر خوب گلا پھاڑ پھاڑ کے چیخا مگر ہرنی کے جسم کو نہ ذرہ برابر حرکت ہوئی نہ اور کسی قسم کا تغیّر۔

تجربے نے بتا دیا تھا کہ آنکھ بند کر لی جائے یا اُس کے سامنے کوئی آڑ[1] آجائے تو آنکھ کے کُھلنے یا اُس حائل کے علیحدہ ہونے تک کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح اگر انگلی کان میں رکھ لی جائے تو کچھ سُنائی نہیں دیتا۔ اس سے اسکی سمجھ میں آگیا تھا کہ بہت سی روکیں ایسی ہیں کہ جاندار کے حواس بلکہ اور اعضا کو بھی بیکار کر دیتی ہیں اور جب یہ حائل دور ہو جاتے ہیں تو پھر وہ بدستور سابق اپنا کام کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال ہوا کہ میری مہربان دایہ کو بھی ایسی ہی روک نے حس و حرکت سے محروم کر دیا ہے۔ اُسے کامل اُمید تھی کہ اگر کسی ترکیب سے اس آڑ کو الگ کر دیا جائے تو میری شفیق پرورش کرنے والی پھر اُسی طرح گرم جوشی کے ساتھ مجھ کو پیار کرنے لگے گی سب سے پہلے کانوں پر شبہ ہوا کہ شاید ان میں کوئی فتور آگیا ہے اس لئے نہیں سنتی خوب غور سے دیکھا کوئی نقص نظر نہ آیا۔ آنکھوں کو دیکھا تو وہ بھی صحیح سالم ہیں۔ غرض اسطرح تمام جسم کو خوب دیکھا بھالا اور جب بیرونی حصوں میں کہیں کوئی نقص نظر

[1] جو شے دو چیزوں کے بیچ آجائے ۱۲

نہ آیا تو یقین ہو گیا کہ موت کا سبب ضرور کسی اندرونی حصہ میں چھپا ہوا ہے
وہ اکثر جانوروں کے جسموں کو دیکھ چکا تھا کہ اور سب حصے تو ٹھوس اور
مضبوط ہیں صرف کھوپڑی سینہ اور پیٹ خالی اور کمزور ہیں۔ اس لئے ذہن
میں آیا کہ جس حصہ کی حالت میں دریافت کرنا چاہتا ہوں وہ ضرور انہیں خالی
مقامات میں سے کسی میں ہے۔ اور ان تینوں میں سے بھی دل خود بخود گواہی
دیتا ہے کہ ہو نہ ہو درمیانی حصہ میں ہو۔

اس طرح استدلال کرتے کرتے جب یقین ہو گیا کہ سبب موت سینہ میں
دفن ہے تو اس صندوق کے کھولنے کا ارادہ کیا۔ خشک بید اور چقماق کے
چند ٹکڑے بہم پہنچا کر جو تقریباً مثل چاقو کے تیز تھے۔ پسلیوں کے درمیان
شگاف دیا اور گوشت کو چیر کر حجاب صدر کے پاس پہنچا۔ اور جب یہ سخت
معلوم ہوا اور آسانی سے نہ پھٹا تو یقین ہو گیا کہ یہ مضبوط غلاف ضرور اسی
شریف عضو کا ہو گا جس کی میں تلاش کر رہا ہوں۔ بڑی کوشش کے بعد
اس کے پھاڑنے میں کامیابی ہوئی تو سب سے پہلا عضو جو نظر پڑا وہ پھیپھڑا
تھا۔ اس کے بعد دل نظر آیا جو ایک مضبوط غلاف میں رکھا ہوا تھا قوی
بندشوں سے بندھا ہوا تھا اور مزید احتیاط کی غرض سے ایک جھلّی کی
حفاظت میں تھا۔ پسلیوں کے اندرونی پہلو پر بھی چونکہ ویسی ہی جھلّی
پائی گئی اور پھیپھڑا دوسری جانب بھی اُسی وضع سے دکھائی دیا تو سمجھا کہ
جس عضو کی مجھے جستجو ہے وہ یقیناً دل ہے جو بیچوں بیچ ہے مگر دیکھتا ہے

لہ سینہ کا پردہ یا جھلّی +

تو کوئی نقص یہاں بھی نہیں۔ اب تو سخت حیران ہوا کہ کیا کرے۔ آخر
بہت سی دماغ سوزی کے بعد خیال ہوا کہ کوئی پوشیدہ چیز اس گھر
میں رہتی ہوگی جو تباہی اور بربادی سے پہلے ہی مکان خالی کر کے
چلی گئی ہے۔ یہی "یوسف گم گشتہ" اُن تمام چیزوں کا منشا تھی جن
سے ہرنی اپنی شفقت یعقوبی کو مجھ پر ظاہر کرتی تھی۔ اس خیال کا آنا
تھا کہ جسم بالکل نظروں سے گر گیا اور مثل اُس لاٹھی کے جس سے وہ
وحشیوں کا مقابلہ کرتا تھا محض ایک آلہ معلوم ہونے لگا ؛

ہرنی کی تجہیز و تکفین

انہیں بیکار کوششوں میں جب کئی دن گذر گئے تو ہرنی کا
جسم پھول کر سڑنے لگا اور ایسی بدبو پیدا ہوئی کہ پاس ٹھیرنا
محال ہو گیا۔ اب تو حضرت بھی گھبرائے۔ محبّت اور شکمت
دونو کافور ہو گئیں۔ تو نے یہ زور باندھا کہ پاس جانا تو در کنار مردہ کی
طرف نظر اُٹھانا بھی ناگوار ہونے لگا۔ کچھ عقل کام نہ کرتی تھی کہ اس
لاش کا کیا کرنا چاہیئے۔ یہ اسی فکر میں کھڑے سوچ رہے تھے کہ دو
کوّے لڑتے ہوئے آئے۔ ان میں سے ایک نے غالب آکر اپنے
مخالف کو مار ڈالا اور پنجوں سے زمین کھرچ کر ایک گڑھا کھود کر دفن
کر دیا۔ یہ دیکھ کر وہ دل میں کہنے لگا کہ اس کوّے نے بہت بُرا کیا
کہ اپنے ساتھی کو مار ڈالا مگر نہایت اچھا کیا کہ اُس کو داب دیا کیسی
شرم کی بات ہے کیا میں اس کوّے سے بھی گیا گزرا کہ اپنی پالنے
والی کے جسم کے ساتھ پہلے سے یہی سلوک کرنے کا خیال نہ آیا۔ غرض

کوّے کی دیکھا دیکھی اس نے بھی ایک گڑھا کھود ہرنی کی لاش کو دفن کیا۔ اور اوپر سے مٹی ڈال کر اچھی طرح دبا دیا[1]

اس کارِ خیر سے فارغ ہوا تو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ آخر اس مکان یعنی جسم میں کیا چیز رہتی تھی اور کیوں اس کو چھوڑ کر چلی گئی۔ ہر چند سوچا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ پھر خیال آیا کہ اَور ہرنوں کی شکل بھی تو میری دایہ ہی کی سی ہے۔ اس لئے جو چیز اُس کے جسم پر حاکم اور حس و حرکت کا باعث تھی وہی ان کے جسموں پر بھی حکومت کرتی ہو گی اس مشابہت نے ایسا دل پر اثر کیا کہ ہرنوں کی صحبت میں ایک خاص لطف آنے لگا اور ہر وقت ان کے ساتھ رہنے لگا۔

جستجوئے انسان

ایک عرصہ تک اسی طرح ہرنوں کے ساتھ جنگل میں پھرتے پھرتے جانوروں اور درختوں کی ماہیت کو سوچنا شروع کیا۔ ان میں سے اکثر کی شکلیں ملتی جلتی نظر آئیں تو اپنے ہم صورت کی تلاش ہوئی

[1] یہ قصہ ہابیل قابیل کی حکایت سے لیا گیا ہے۔ یہ دونوں حضرت آدم کے بیٹے تھے۔ قابیل ہابیل کو مار کر کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ اتنے میں بَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ لِیُرِیَہٗ کَیۡفَ یُوَارِیۡ سَوۡاَۃَ اَخِیۡہِ قَالَ یٰوَیۡلَتٰۤی اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِثۡلَ ہٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوۡاَۃَ اَخِیۡ فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِیۡنَ (خدا نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اُسے دکھلائے کہ اپنے بھائی کی برہنگی کو کس طرح ڈھکنا چاہیئے اُس نے کہا افسوس ہے مجھ پر کہ میں اس کوے کی مثل بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی برہنگی کو چھپا دیتا۔ اس سے وہ نادم ہوا۔ ۱۲

تمام جزیرہ چھان ڈالا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر اسی جستجو میں سمندر کے کنارے گشت لگانا شروع کیا۔ مگر گوہر مقصود یہاں بھی ہاتھ نہ آیا۔ یعنی تمام سعی و تلاش اکارت گئی اور ہمشکل کی صورت کہیں بھی نظر نہ آئی۔ اتنا تو البتہ ہوا کہ ساحل پر گردش کرتے وقت چونکہ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی۔ سوائے پانی کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس لئے خیال ہوا کہ اس جزیرہ کے سوا شاید دنیا میں کہیں خشکی ہے ہی نہیں۔ پس اگر جزیرہ میں میرا ہم صورت نہیں تو کہیں بھی نہیں۔ کوشش بے سود سے ہاتھ اُٹھانا چاہیئے۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ہوا زور سے چلی اور بانسوں کے ایک جھنڈ میں رگڑ سے آگ لگی[1]۔ چونکہ اس سے پہلے کبھی کوئی ایسی چیز نہ دیکھی تھی۔ اوّل تو اُس کو ڈر معلوم ہوا اور دیر تک دور کھڑا تعجّب کرتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ پاس آیا۔ اس کی برّاقی

بانسوں کی رگڑ سے آگ کا پیدا ہونا۔

[1] آگ کے پیدا ہونے کے متعلق ہر پرانی قوم اور ملک میں ایک نئی ہی کہانی گھڑی گئی تھی اور ابتد ءً ہر ملک میں اسکی پرستش ہوئی مصنف نے ان کہانیوں کے گویا مہمل ثابت کرنے ہی کی غرض سے اس نورانی جوہر کے ظہور کو ایک معمولی تجربہ کی شکل میں بیان کیا ہے۔ حی کے استعجاب اور آگ کے فواید کی مفصل کیفیت لکھ کر بتا دیا ہے کہ آتش پرستی جہاں کہیں بھی ہوئی انہیں دو وجہوں سے شروع ہوئی بعد ازاں اس کے پوجاریوں نے اپنی ایک دماغی کمزوری کو چھپانے اور ایک نامعقول کام کو معقول ثابت کرنے کے لئے اس کو مذہبی کہانیوں کے ذریعہ سے جوہر آسمانی اور نور یزدانی بتایا۔ وَهُوَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۱۲

سے اور اس حیرت خیز قوت سے جو ہر ایک اس سے مس کرنے والی چیز کو مشتعل کر کے اُس کا ہمرنگ بنا لیتی تھی نہایت حیرت ہوئی۔ آخر ایک عالم مدہوشی میں اُس ہمت اور جرأت کی تحریک سے جو خدا نے اُس کو عطا کی تھی اِس کی طرف ہاتھ بڑھانے اور پکڑ لینے کا ارادہ کیا۔ مگر ہاتھ لگانا تھا کہ اُنگلیاں بھُن گئیں۔ سچ کہا ہے کہ آدمی سیکھتا ہے کچھ کھو کے۔ اب سمجھ میں آیا کہ یہ اس طرح بے تکلف پکڑ لینے کی چیز نہیں۔ فوراً عقل خداداد نے مدد کی اور یہ تدبیر سوجھی کہ ایک درخت کی جلتی ہوئی شاخ کے اُس سرے کو جس پر آگ نے ابھی تصرف نہیں کیا تھا پکڑ کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور مسکن پر لے آیا۔ یہاں رات دن اس کی غور و پرداخت کرنے لگا۔ رات کے وقت تو وہ خاصکر بہت ہی مفید ثابت ہوئی کیونکہ اُس کی روشنی اور حرارت نے آفتاب کا کام دیا۔ اِس سے اُس کو ایسی خوشی ہوئی کہ کھالوں میں پھُولا نہ سماتا تھا اور جزیرہ کی تمام چیزوں سے اُسکو افضل اور عزیز سمجھنے لگا۔

اِس کا میلان اوپر کی جانب دیکھ کر یقین ہو گیا کہ یہ بھی انہیں روشن چیزوں میں سے ہے۔ جن کو میں آسمان پر دیکھتا ہوں۔ اب یہ سوجھی کہ اِس کی قوت کو آزمانا چاہیئے۔ دیکھیں کونسی چیزوں کو جلاتی ہے اور کونسی چیزیں اس کے اثر سے محفوظ رہتی ہیں۔ چنانچہ مختلف قسم کے جسموں کو اس پر ڈال کر دیکھا مگر اُس نے خشک و تر سب ہی کو پیش و پیش سوختنی بنا لیا۔ اور کھا لیا۔ اتنا تو ہوا کہ اختلاف طبیعت کے سبب کوئی

جلد اور کوئی ذرا دیر میں جلا *

انہیں تجربوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ چند مچھلیاں جن کو سمندر نے کنارے پر پھینک دیا تھا اس میں ڈالیں۔ یہ بھنیں تو ایسی عمدہ خوشبو نکلی کہ بے اختیار کھانے کو جی چاہا منہ میں پانی بھر آیا۔ مگر احتیاط مانع تھی۔ آخر نہ رہا گیا ایکبارگی جی کڑا کر کے چکھ ہی لیا۔ چکھنا تھا کہ چودہ طبق روشن ہو گئے۔ خوشی کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی افسوس بھی تھا کہ اب تک اس نعمت سے کیوں محروم رہا۔ دوسرے جانوروں کے گوشت کھا کر دیکھے تو ایک سے ایک لذیذ۔ غرض کہ چاٹ لگی تو لگی۔ مصرع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اب دوسری غذا کب بھاتی تھی۔ آخر مچھلی اور گوشت کھانے کی عادت ہو گئی۔ اور چونکہ اس کے لئے مچھلی پکڑنا اور جانوروں کا شکار کرنا ضروری تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونو کاموں میں بھی پوری مہارت ہو گئی *

جب آگ نے یہ لذیذ لطیف بلکہ نورانی غذائیں کھلائیں تو اس کی قدر و منزلت روز بروز زیادہ ہی ہوتی چلی گئی *×*

جانوروں کی کھالوں سے جوتے اور کپڑے *

جب اس کی عمر اکیس برس کی ہوئی تو آسایش و آرام کی بہت سی چیزیں دریافت کر چکا تھا۔ جن جانوروں کو کھانے کے لئے شکار کیا تھا اُن کو تو خون کی شرکت کا شرف عنایت ہی ہو چکا تھا۔ اب اُن کھالوں کو بھی معانقہ اور قدمبوسی کی عزت سے محروم رکھنا گوارا نہ ہوا اس لئے اُن کے کپڑے اور جوتے بنائے

اُون اور درختوں کی چھال کے ریشوں کا ڈورا بٹا اتفاق ازیں گھاس اور پتوں کا جو رسّا بنا چکا تھا اُسی سے اب ڈور اینٹھنے کی تدبیر سوجھی۔ بید کی چھپٹیوں کو پتھر سے تیز اور نوکدار بنا کر اور مضبوط مضبوط کانٹے لیکر ایک قسم کا نشوا تیار کیا۔

(۳) مکان

پرندوں کے گھونسلے دیکھ دیکھ کر فن عمارت کی شد بد ہوئی تو ایک کمرہ خواب و آسایش کے لئے ایک کوٹھری سامان کے لئے اور دوسری بطور نعمت خانہ کے بچی ہوئی غذا کو حفاظت سے رکھنے کے لئے بنائی۔ بید کو گونتھ کر کواڑ بنا کر دروازوں میں لگائے کہ غیبت میں کوئی جانور گھسنے نہ پائے۔ شکار کی غرض سے چند شکاری جانور اور انڈے بچوں کی غرض سے بعض دوسرے جانور پالے۔ جانوروں کی کھالوں کو تہ کر کے اور تہ بتہ جما کر ایک ڈھال تحفظ کے لیئے تیار کی۔ اب مصنوعی ہتھیاروں نے قدرتی حربوں سے بالکل بے نیاز کر دیا۔

گھوڑے کی سواری

جب دیکھا کہ میرے ہاتھ اُن سب حربوں کا جن سے قدرت نے بمصلحت مجھے محروم رکھا ہے نعم البدل[1] ہو گئے کسی جانور کو میرے مقابلہ کی ہمت نہ رہی بلکہ سب ڈرتے اور بھاگتے ہیں اور صرف تیز رفتاری سے جان بچاتے چلتے ہیں تو فکر ہوئی کہ زمین کی طنابیں کھینچنے کی بھی کوئی تدبیر نکالنی چاہئے اور تیز رفتاری میں بھی اِن وحشیوں کو نیچا دکھانا چاہئیے۔ آخر ذہن لڑا

[1] اچھا بدل ۱۲

سوجھی اور نہایت پولٹیکل چال سوجھی کہ انہیں میں سے کسی سب سے طاقتور اور چالاک جانور کی مدد سے اوروں سے بازی جیتنی چاہیئے یعنی کسی بادپا کو پکڑ کر عمدہ عمدہ غذائیں کھلا کر اور بہلا پھسلا کر ایسا ہلانا ملانا چاہیئے کہ اپنی پیٹھ پر سوار ہونے دے (حضرات ملاحظہ ہو! کچھ اسی زمانہ کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ مہذب وحشیوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی سلوک کرتے آئے ہیں) جزیرہ میں گھوڑے اور گدھے بکثرت تھے ان میں سے جو زیادہ موزون اور مناسب معلوم ہوئے منتخب کر لئے اور اس طرح تعلیم اور تربیت کی کہ تھوڑے سے ہی عرصہ میں پورے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔ باگوں اور زین کا کام انہیں جانوروں کی کھالوں سے لیا۔ جن کو شکار کر چکا تھا۔ جب سواری کی خوب مشق ہو گئی تو جن جانوروں کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکتا تھا اُن کا تعاقب اور گرفتار کرنا ایک کھیل ہو گیا۔

انہیں ایجادوں کے زمانہ میں وہ علم تشریح[1] بھی نہایت شوق سے حاصل کرتا رہا۔ جانوروں کے جسموں کے مختلف حصوں کی خصوصیتوں اور فرقوں کو نہایت تحقیق سے دریافت کرتا چلا گیا۔ (اور نہیں تو اس زمانے کے طبیبوں سے تو زیادہ ہی واقفیت حاصل ہو گئی ہو گی)۔

جسموں کی ماہیت

اس کے بعد اس نے اُن جسموں کی ماہیت پر غور کرنا شروع کیا جن میں کون و فساد (بننا اور بگڑنا) پایا جاتا ہے۔ جیسے مختلف

[1] وہ علم ہے جس کو ڈاکٹروں کی اصطلاح میں اناٹومی کہتے ہیں۔

قسموں کے جانور درخت پتھر زمین پانی بھاپ برف اولا دھواں اور آگ وغیرہ +

ان سب میں مختلف صفتیں اور کثرت سے حرکتیں اور فعل نظر آئے۔ جو بعض حیثیتوں سے متفق اور بعض لحاظوں سے مختلف تھے۔ اُس نے دیکھا کہ جہاں تک اتفاق رہتا ہے وہاں تک تو سب چیزیں ایک ہی ہیں۔ اختلاف شروع ہوا کہ کثرت ظاہر ہونے لگی۔ ؎

پردہ کو تعین کے در دل سے اُٹھا دے

کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

اپنی نسبت تو اُس کو یقین تھا کہ میری رُوح یا میں ایک ہی ہوں کیونکہ میرے وجود کی اصل ماہیت وہی ہے جس کو میں میں کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں باقی جو کچھ ہے اُس کا ایک آلہ ہے +

جانوروں پر بھی تحقیق کی نظر ڈالی تو دیکھا کہ حس[1] نمو[2] اور حرکت[3] بالارادہ سب میں عام ہیں۔ سمجھ میں آگیا کہ یہی تینوں ملکر روح حیوانی کی ماہیت ہیں۔ باقی چھوٹی چھوٹی باتیں جن میں سے وہ ایکدوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں اس روح سے کوئی تعلق لازمی نہیں رکھتیں۔ یعنی روح حیوانی تو ایک ہی ہے۔ اختلاف طبائع سے بعض صفتوں

---

[1] حواس کے ذریعہ سے معلوم کرنے کی قوت ۱۲

[2] بڑھنا ۱۲

[3] خواہش کے موافق حرکت کرنا ۱۲

میں مختلف نظر آتی ہے۔ غرضکہ باوجود بیشمار اختلافات کے وحدت کا جلوہ یہاں بھی صاف دکھائی دینے لگیگا ٭

درختوں کی طرف نگاہ کی تو ہر ایک نوع[1] کے افراد شاخوں پتوں اور پھلوں کے لحاظ سے مشابہ ہیں) اور قبول غذا اور نمو کی صفتیں سب میں عام ہیں یعنی آفتاب وحدت کا مطلع یہاں بھی بالکل صاف ہے ٭

اب اُن جسموں کی طرف توجہ کی جن میں مذکورہ بالا صفتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی یعنی نہ حس ہے نہ قبول غذا نہ نمو جیسے پتھر۔ زمین۔ پانی۔ ہوا۔ آگ وغیرہ۔ غور کیا تو عام صفات سے یہ بھی خالی نہیں کیونکہ ابعاد[2] ثلاثہ یعنی لمبائی۔ چوڑائی اور گہرائی ان میں بھی مشترک ہیں اور اختلافات صرف یہ ہیں کہ بعض رنگین تو بعض سادہ کچھ گرم تو کچھ سرد ہیں۔ اور اسی قسم کے چند اور بے حقیقت اختلاف ہیں ٭

تجربہ بتا چکا تھا کہ گرم جسم سرد اور سرد جسم گرم ہو جاتے ہیں۔ پانی لطیف ہوکر بھاپ اور بھاپ غلیظ ہوکر پھر پانی بن جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی چیز جلائی جاتے تو دھوئیں کوئلہ اور راکھ سے بدل جاتی ہے اور دھوئیں کو اوپر چڑھنے سے روکا جاتے تو جو چیز حایل ہو اُس کو

---

[1] ہر ایک قسم چیزوں کی اپنے سے اوپر اور بڑی قسم کے لحاظ سے نوع اور اپنے سے نیچے اور چھوٹی قسموں کے لحاظ سے جنس کہلاتی ہے مثلاً انسان حیوان کی ایک نوع ہے مگر عورت اور مرد کے لحاظ سے جنس ہے ٭

[2] لفظی معنی تینوں دوریاں ۱۲

چمٹ کر کاجل ہو جاتا ہے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام اختلافات محض نمائشی اور بے ثبات ہیں نہ داخل ذات ٭

ان تمام مقدمات کا لازمی نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ حیوانوں اور درختوں کی طرح اور سب جسم بھی وحدت کا مظہر ہیں اور کثرت و اختلاف بالکل اعتباری ٭

آسمان اور ستارے

علمی دنیا کی یہاں تک سیر کی تھی کہ عمر کی ڈاک گاڑی اٹھائیس برس کے سٹیشن پر جا پہنچی۔ ایک روز یوں ہی بیٹھے بیٹھے نظر اوپر گئی تو آسمان کی شفافی۔ وسعت نے حیرت کی عینک آنکھوں پر چڑھا دی اور ستاروں کی چمک نے اور بھی چوندھیا دیا مگر خضر عقل نے بہت جلد دستگیری کی۔ یعنی جلد ہی سمجھ میں آگیا کہ یہ بھی اجسام ہیں۔ کیونکہ ابعاد ثلاثہ یعنی لمبائی چوڑائی اور گہرائی ان میں بھی موجود ہیں۔ خیر یہ معاملہ تو آسانی سے سلجھ گیا۔ مگر ذہن رسا نے فوراً ریشم کی گتھیوں میں پھنسا دیا ع۱۔ اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی۔ اب یہ فکر پیدا ہوئی کہ آسمان کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی آیا غیر متناہی ہیں کہ کہیں ختم ہی نہ ہوں یا محدود اور ختم ہونے والی٭

آسمان متناہی

اس مشکل مسئلے نے بہت عرصہ تک۔ غلطاں پیچاں مشوش و پریشان رکھا۔ آخر عقل کی قوت اور دماغ کی تیزی نے یہ خلش بھی کھود دی اور سمجھا دیا۔ کہ کسی جسم کے غیر متناہی ہونے کا خیال ہی بالکل خلاف عقل اور محال ہے۔ بلکہ درحقیقت کوئی خیال ہی نہیں۔

کیونکہ یہ وہ تصور ہے جو انسان کے ذہن میں کبھی اور کسی طرح آ ہی
نہیں سکتا۔ بہت دلیلوں سے جو وقتاً فوقتاً اُس کے ذہن میں آ
گئیں۔ یہ خیال راسخ ہوتا چلا گیا۔ غرض جب بہ دلایل ثابت ہو گیا
کہ آسمان متناہی اور محدود ہے تو اُس کی شکل دریافت کرنے کی فکر
ہوئی۔ واقعی سچ کہا ہے۔ کہ" آں راکہ عقل بیش غم روزگار بیش" ۔

رباعی

در گردشِ ایں دائرہ بے پایاں ۔ برخورداری دو نوع مردم را داں

یا با خبرے از خود و از ہر چہ بود ۔ یا بیخبرے از خود و از ہر دو جہاں

آسمان کی گردش

یہ تو روز کا مشاہدہ ہے کہ سورج اور چاند اور ستارے مشرق
سے مغرب کی طرف جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ بعض آسمان کے بیچوں
بیچ اور بعض شمال یا جنوب کو نیچے ہوئے چلتے ہیں۔ اب اُن
معاینہ کو ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو ستارے ٹھیک
سر پر ہو کر گزرتے ہیں وہ سب سے بڑے دایرہ میں گردش کرتے
ہیں۔ باقی سمت الراس سے جو جتنے فاصلہ پر ہیں خواہ شمال کی جانب
یا جنوب کی طرف وہ اول الذکر ستاروں کی نسبت اُتنے ہی چھوٹے
دایروں میں گردش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سب سے چھوٹے
دایروں میں گردش کرنے والے وہ ستارے ہیں جو قطبین کے گرد
گھومتے ہیں یعنی سہیل جو قطب جنوبی کا طواف کرتا ہے اور فرقدین
جو قطب شمالی پر قربان ہوتے ہیں +

چونکہ وہ ایسے جزیرے میں رہتا تھا جو معدل النہار پر واقع تھا۔

اس لئے یہ سب دایرہ افق کو زاویہ قایمہ بناتے ہوئے قطع کرتے تھے اور ہر ایک دایرہ کے کل حصے قطبین سے ایک سی نسبت رکھتے تھے۔ اگر ایک ستارہ بڑے دایرہ میں طلوع ہوتا اور دوسرا چھوٹے دایرہ میں تو دونو ایک ہی وقت میں دورہ ختم کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ غروب ہوتے تھے۔ اس میں کسی زمانے میں فرق آتے نہ دیکھا۔ اس لئے ثابت ہو گیا کہ آسمان کی شکل گردی ہے۔ اور جب بعد غروب ہر ایک ستارہ کو دوبارہ مشرق میں پلٹ آتے دیکھا۔ تو یہ خیال اور بھی مضبوط ہو گیا۔ اس کے علاوہ آسمان کا گردی ہونا اس طرح بھی ثابت ہوتا تھا کہ ہر ایک ستارہ طلوع ہوتے وقت جتنا بڑا معلوم ہوتا تھا اُتنا ہی اُس وقت جب آسمان کے بیچوں بیچ اور اُتنا ہی غروب ہوتے وقت نظر آتا تھا۔ اگر دایرہ میں گردش نہ کرتا ہوتا تو ضروری تھا کہ بعض وقت آنکھ سے قریب اور بعض وقت دور رہو۔ اور اس صورت میں قریب ہو تو بڑا اور دور ہو تو چھوٹا نظر آتے۔ حالانکہ ایسا نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح اور بہت سے مسئلے علم ہیئت کے اُس نے اپنی عقل دوربین سے دریافت کر لئے اور اس فن کا ماہر ہو گیا۔ چنانچہ اُس کی یہ بھی آسانی سے سمجھ میں آ گیا کہ سیارے مختلف کروں میں گردش کرتے ہیں۔ اور ان سب کا سرتاج یعنی سب کو گھیرے اور سب کے اوپر ایک اور کرہ ہے جو دن رات کے عرصہ میں کروں کو ایک مرتبہ گردش دے دیتا ہے۔ لیکن اس

ترقیاں اُسنے کیں اُن سب کو مفصل بیان کرنا بہت طول فضول چاہتا ہے
ہم جتنا لکھ چکے وہ ہماری اغراض کے لیئے بالکل کافی ہے +

غرض کہ علم ہیئت کی اس منزل پر پہنچ کر ایسا معلوم ہونے لگا کہ
یہ دن رات چکر کھانے والے آسمان اور وہ تمام چیزیں جن پر یہ محیط
ہیں ملکر ایک کل ہے جس کے اجزا آپس میں مربوط و منتظم ہیں۔ گویا
ایک مہیب جانور ہے۔ جس کے ستارے حواس ہیں۔ کُرے ہاتھ
پاؤں ہیں۔ اور وہ تمام اجسام جن میں کون و فساد ہوتا ہے اندرونی
حصوں سے مشابہ نظر آتے تھے +

عالم حادث ہے یا قدیم

جب نیچے کی دنیا کے جسموں کی طرح تمام عالم کی ماہیت ایک
نظر آنے لگی اور اُس کے مختلف حصے ایسے آپس میں مربوط
پائے گئے کہ ایک کُل کے جُز معلوم ہوتے تھے تو اُس کے
دماغی اکھاڑے میں دو ایسے پہلوانوں کی کشتی شروع ہوئی
جو طاقت میں بھی برابر اور پھرتی میں بھی یکساں اُستاد تھے
یعنی اُس کا دماغ ان دو خیالوں کی کشمکش میں پڑ گیا۔ (۱) یہ عالم
ہمیشہ سے چلا آتا ہے یا (۲) ایک زمانہ میں اس کا وجود نہ تھا اور پھر
شروع ہوا (حکماء کی زبان میں قدم اور حدوث انہیں دو خیالوں کے

سوال کے متعلق بہت سے شبہے اور شک اُس کے ذہن
نے تھے اور ان دو نوں رایوں میں سے کوئی بھی دوسری پر

غالب نہ آتی تھی۔ کیونکہ اگر عالم کو قدیم مانتا تھا تو جسموں کا نامتناہی ہونا محال معلوم ہوتا تھا۔ اسی طرح وجود کے نامتناہی ہونے کی نسبت بھی کثرت سے اعتراض ذہن میں آتے تھے +

مذکورہ بالا اعتراضوں کے علاوہ اگر کسی جسم میں ایسی صفتیں ہوں جو اُس سے علیحدہ نہ ہو سکیں اور یہ صفتیں حادث ہوں تو ضرور ہے کہ وہ جسم بھی حادث ہو۔ کیونکہ جب یہ صفتیں اُس سے جُدا ہو ہی نہیں سکتیں تو اُس کا وجود ان صفتوں سے پہلے اور ان کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا اور جس چیز کا وجود ہم حادث صفتوں سے پہلے نہیں مان سکتے وہ ضرور ان صفتوں کے ساتھ وجود میں آیا ہوگا اور اس لئے حادث ہوگا۔

رہی دوسری شق کہ عالم حادث ہے۔ اُس کو مانتا تھا تو اور قسم کے اعتراض وارد ہوتے تھے۔ خاص کر "وجود بعد عدم" خود ایک ایسا خیال ہے۔ کہ زمانہ کو وجود سے پہلے مانے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ورنہ عدم کو وجود سے پہلے اور وجود کو عدم کے بعد کس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے۔ اور چونکہ زمانہ خود عالم سے وابستہ ہے۔ اور اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے عالم کا زمانہ کے بعد ہوتا محض مہمل خیال ہے۔

اس کے ماسوا اگر فرض کر بھی لیا جائے کہ عالم حادث ہے یعنی عدم سے وجود میں آیا ہے تو کوئی موجد یا پیدا کرنے والا ہونا چاہیئے۔ اور اس صورت میں سوال یہ ہوگا کہ کیا وجہ اُس خالق نے عالم کو اُس وقتِ خاص پر (پیدایش عالم کا جو کوئی زمانہ بھی فرض کیا جائے)

پیدا کیا۔ اس سے پہلے کیوں نہ پیدا کیا۔ کیا خود خالق کی ذات کا کوئی تغیر اس کا باعث ہوا۔ اگر ایسا ہوا۔ تو اس تغیر کا کیا باعث ہوا۔ برسیں گذر گئیں۔ کہ اس بھول بھلیاں میں یونہیں ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر دوڑتا رہا۔ مگر باہر آنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ یعنی ان دونوں میں سے جس رائے کو بھی اختیار کرتا تھا۔ ہزاروں دلیلیں اس کے خلاف ذہن میں آجاتی تھیں اسی لیئے کسی کو بھی ترجیح نہ دے سکتا تھا۔ کیا خوب فرمایا ہے خواجہ حافظ نے کہ ؎

حدیث از مطرب و مے گوے و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

جب اس مسئلہ کا کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اور کسی طرح یہ عقدہ حل ہوتا نہ معلوم ہوا تو اس نے دل میں سوچنا شروع کیا کہ ان دونو رایوں میں سے ہر ایک کا لازمی نتیجہ کیا ہے۔ شاید نتیجہ کے اعتبار سے دونو یکساں ہوں ٭

پہلے حدوث کے پہلوؤں پر نظر دوڑائی تو حسب ذیل قیاسات اونٹوں کی قطار کی طرح ذہن میں آتے گئے ٭

اگر عالم حادث ہے تو ماننا پڑے گا کہ خود بخود موجود نہیں ہو گیا بلکہ اس کا کوئی فاعل یا بنانے والا بھی ہے۔ یہ فاعل ظاہر ہے کہ حواس کی دسترس سے باہر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر محسوس ہوا تو جسم

ہوگا اور جسم ہوگا تو عالم کا جزو اور حادث ہوگا اور اُس کا وجود خود ایک علت کا محتاج ہوگا
اب اگر یہ علت یا دوسرا فاعل بھی جسم ہو تو تیسرے کا محتاج ہوگا۔ اسی طرح تیسرا چوتھے کا
اور چوتھا پانچویں کا یعنی یہ سلسلہ یونہی چلا جائیگا کہیں ختم ہی نہ ہوگا۔ اور اصلی
فاعل تک کبھی رسائی ہی نہ ہوگی۔ حالانکہ یہ عقل کے بھی بالکل خلاف
ہے۔ او۔ جو کچھ ہم ابھی مان چکے ہیں کہ عالم کا کوئی فاعل ہے اُس کے
بھی مخالف ہے۔ کیونکہ جو خود مخلوق ہو وہ ہرگز فاعل کہلانیکا مستحق نہیں۔

لہٰذا ماننا پڑیگا کہ خالق عالم بے جسم ہے اور بے جسم ہے تو اُسکو
حواس سے معلوم کرنا بھی ناممکن۔ کیونکہ حواس کی مدد سے ہم سوائے
جسموں یا جسمانی صفتوں کے اور کچھ نہیں دریافت کر سکتے۔ بلکہ حواس
تو حواس ادراک سے بھی اس کا دریافت کرنا محال۔ کیونکہ ادراک
کسے کہتے ہیں۔ کسی چیز کی صورت کا بغیر ہیولی یا مادہ کے ذہن میں آنا

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہرچہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

اور جب خالق عالم جسم نہیں تو کوئی جسمانی صفت بھی مثل لمبائی۔
چوڑائی اور گہرائی کے اُس کی طرف منسوب نہیں کر سکتے بلکہ وہ اُن سے
اور نیز اور تمام صفات جسمانی سے پاک اور منزہ ہے۔ اسی طرح بحیثیت
خالق۔ خالق عالم ہونے کے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کو دُنیا و ما فیہا کا

علم ہو اور حاکم مطلق ہو۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ ھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔
(کیا جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانتا حالانکہ وہ عمدہ آگاہی والا ہے)

اچھا اب اگر دوسری شق کو اختیار کیا جائے یعنی فرض کیا جائے
کہ عالم قدیم ہے اور ہمیشہ سے اسی طرح چلا آتا ہے۔ تو ضرور ماننا پڑیگا
کہ حرکت بھی قدیم ہے جس سے پہلے کبھی سکون نہ تھا کیونکہ وجود عالم
بلا حرکت متصور ہی نہیں ہو سکتا اور ہر ایک حرکت کے لئے کوئی محرک
ہونا چاہیئے۔ اب یہ محرک یا تو کوئی جسمانی قوت ہوتی ہے۔ خواہ جسم
متحرک میں ہو یا کسی اَور جسم میں یا ایسی قوت ہوتی ہے جو کسی
جسم سے تعلق نہیں رکھتی +

ہر ایک جسمانی قوت جسم کے ساتھ منقسم بھی ہو سکتی ہے اور اُس
میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً میلان مرکزی جو ہر ایک چیز کو اوپر
سے نیچے آنے پر مجبور کرتا ہے۔ ایک جسمانی قوت ہے۔ اگر ایک پتھر
کے دو حصے کر دئے جائیں تو یہ قوت بھی دو حصوں میں منقسم ہو جائیگی
اور اگر اُس پتھر کے ساتھ ایک اَور اُس کا ہم وزن پتھر جوڑ دیا جائے
تو یہ قوت بھی دونی ہو جائیگی۔ اگر یہ ممکن ہو کہ پتھر بڑھ کر غیر متناہی
ہو جائے تو اُس کا میلان مرکزی بھی غیر متناہی ہو جائیگا۔ علی ہذا القیاس
اگر یہ پتھر ایک حد تک بڑھ کر رہ جائے تو یہ قوت بھی اُسی حد تک
بڑھ کر رہ جائے گی۔ مگر ثابت ہو چکا ہے کہ ہر ایک جسم متناہی ہے
لہذا ہر ایک جسمانی قوت بھی متناہی ہوگی۔ اب اگر ہم کو کوئی ایسی

قوت نظر آئے جس سے غیر متناہی اثر پیدا ہوا ہو تو ماننا پڑے گا کہ یہ قوت جسمانی نہیں ہے *

ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان کو دائمی حرکت ہے جو کبھی نہیں رکتی۔ پس جب ہم اس حرکت کو قدیم مانتے ہیں تو لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو قوت اس حرکت کا باعث ہے وہ نہ خود جسم فلک میں ہے نہ اور کسی جسم میں بلکہ کسی ایسی چیز میں ہے جو جسمانیت سے بالکل پاک ہے اور جس کی جسموں پر صادق آنے والے لفظوں میں تعریف بھی نہیں ہو سکتی *

عالم کون و فساد پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہر ایک جسم کی ماہیت کا اشرف جز اُس کی صورت نوعی ہے جو نام ہے جسم کے میلان کا مختلف حرکتوں کی طرف رہا دوسرا جز یعنی ہیولی یا مادہ تو وہ نہایت لغو اور ہیچکارہ ہے بلکہ سمجھ میں بھی مشکل ہی سے آتا ہے[۱]۔ لہذا عالم کے موجود ہونے کے اس کے سوا کوئی معنی نہیں کہ اُس محرّک کی تحریک سے متحرک ہے جو جسم اور جسمانی اوصاف سے بری ہے۔ سب محسوسات سے الگ اور ادراک کی رسائی سے باہر ہے۔ اور چونکہ وہ عالم کی حرکت یا وجود کی علّت ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ اُس کا حاکم مطلق ہو اور کامل علم رکھتا ہو *

---

[۱] مصنف کے اس خیال کی داد وہی لوگ دے سکتے ہیں جو برکلے، ہیوم، اور کینٹ کی رایوں سے واقف ہیں۔ تعجب ہے کہ ابن طفیل صدیوں سے پہلے مادہ کی نسبت وہی رائے دے گیا جو کینٹ نے دی ہے یعنی ایک شے نامعلوم ہے *

غرض کہ اس طریق استدلال سے بھی نتیجہ وہی پیدا ہوا جو حدوث
عالم کی صورت میں نکلتا تھا۔ اور حدوث قدم کی نسبت جو شبہ تھا وہ ذرا
بھی مخل نہ ہوا۔ کیونکہ جونسی شق بھی اختیار کرتا تھا نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ
عالم کا پیدا کرنے والا جسم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جسموں کا بنانے والا ہے۔
کیونکہ ہر جسم کو مادہ کے ساتھ صورت نوعی کی ضرورت ہے۔ بغیر اس کے
اس کا وجود محال۔ اور صورت نوعی کا وجود ایک فاعل مختار پر موقوف
ہے۔ لہذا ہر چیز کا وجود اس فاعل سے وابستہ ہے۔ اور اسی کے
سہارے قایم ہے۔ یہ تمام چیزوں کی علت اور وہ سب اس کے معلول
ہیں۔ خواہ قدیم ہوں یا حادث۔ بغیر اس کے اُن کا قیام محال ہے بغیر
اس کے وجود کے ان کا وجود ناممکن۔ اور بغیر اس کے قدیم ہوئے وہ قدیم
نہیں ہو سکتے لیکن اس کو نہ اُن کی ضرورت ہے نہ کسی طرح اُنکا محتاج

ہر چہ آفریدی دستی طراز نیازت نہ است از ہمہ بے نیاز

اور اس کے خلاف ہو بھی کیونکر سکتا ہے۔ جب یہ ثابت ہو چکا کہ عالم کو
حرکت دینے والی قوت نامتناہی ہے اور ہر ایک جسم اور متعلق جسم متناہی ہے
مختصر یہ کہ عالم اور جو کچھ اُس میں ہے یعنی آسمان زمین ستارے
اور جو کچھ ان سے متعلق ہے خواہ ان کے اوپر ہو یا نیچے۔ سب اُس کے
پیدا کئے ہوئے ہیں اور طبعاً اُس سے موخر ہیں۔ گو زمانہ کے اعتبار سے
موخر نہ ہوں۔ مثلاً اگر تم کوئی چیز اپنے ہاتھ میں لے کر ہاتھ کو حرکت دو
تو وہ چیز بھی ہاتھ کی وساطت سے اور اُس کے ساتھ ساتھ حرکت کریگی

مگر چونکہ اُس کی حرکت ہاتھ کی حرکت کے تابع ہے۔ اس لئے طبعاً اس سے مؤخر ہے۔ حالانکہ زمانہ کے اعتبار سے کچھ بھی آگا پیچھا نہیں۔ دو حرکتیں ایک ہی آن میں شروع ہوتی ہیں۔

اِن تمام دلیلوں سے اُس کو یقین کامل ہو گیا کہ عالم کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو زمانہ پر بھی سابق ہے وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو اُس سے صرف اتنا کہہ دیتا ہے۔ کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے[1]۔

عجائبات قدرت کا احساس

جب یقین ہو گیا۔ کہ تمام موجودات اور کل کائنات کا ایک بنانے والا ہے تو ہر طرف اس کی قدرت۔ صنعت۔ حکمت۔ اور وسعت علم کے آثار نظر آنے لگے۔ معمولی سی معمولی چیز بھی جس کو اب تک نہایت بے اعتنائی سے دیکھتا رہا تھا رموزِ حکمت کا آئینہ بن گئی اور چھوٹی سے چھوٹی شے بھی عجائبات قدرت کا میوزیم معلوم ہونے لگی۔ جس طرف نگاہ جاتی تھی حیرت سے روبکاری تھی ؎

این ہمہ نقش عجب بر در و دیوار وجود　　ہر کہ فکرت نہ کند نقش بود بر دیوار

عقلی دلیلوں کے بعد جو تھوڑی سی بے اطمینانی باقی رہ جاتی ہے۔ اُس حیرانی نے جو معرفت کا پیش خیمہ ہے۔ اس کو بھی رفع کر دیا۔ اطمینان

---

[1] اس آیہ کریمہ سے اقتباس ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰہُ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ یعنی ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس سے کہتے ہیں ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے ۱۲

کامل ہو گیا کہ یہ سب چیزیں جو حکمت اور صنعت کے خزانے ہیں اُسی مبدا فیاض سے چلی آتی ہیں۔ جس کا کمال بے حد و نہایت سب کمالوں سے برتر و بہتر ہے۔ اور جس سے نہ ایک ذرہ پوشیدہ ہے نہ اُس سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز خواہ آسمان میں ہو یا زمین میں[1]۔

جانوروں میں جو نگاہ کی تو اُن میں اَور چیزوں سے بھی زیادہ حکمت الٰہی کا جلوہ نظر آیا۔ ہر جانور کو اُس کی حالت اور ضرورتوں کے موافق جسم عطا ہوا ہے اور پھر ہر ایک کو اُس کا استعمال بھی ایسا ٹھیک سکھایا گیا ہے کہ باوجود عقل سے بے بہرہ ہونے کے کبھی غلطی نہیں کرتا اگر محض جسم پیدا کر کے چھوڑ دئے ہوتے۔ ان آلوں کا استعمال صحیح نہ سکھایا ہوتا تو جن اغراض سے یہ بنائے گئے تھے۔ وہ ہرگز پورے نہ ہوتے۔ اور جانوروں کو ان سے کوئی بھی فایدہ نہ ہوتا۔ بلکہ اُلٹے وبال جان ہو جاتے۔ اللہ اللہ کیا رحمت ہے کیا مہربانی ہے! اب تو وہ جس میں جمال۔ کمال۔ قوت یا کوئی اَور خوبی دیکھتا فوراً ذہن خداوند مہربان کی طرف منتقل ہو جاتا کہ یہ بھی اُسی کی عنایت اُسی کی بخشش ہے

جانوروں میں رہتے رہتے اور اپنی اور اُن کی حالتوں کا مقابلہ کرتے کرتے اچھی طرح ذہن نشین ہو چکا تھا کہ مجھ میں جو صفتیں ہیں وہ

[1] ترجمہ ہے اس آیۂ کریمہ کا وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ (دور و غایب) نہیں ہوتے تیرے پروردگار سے بمقدار ایک ذرہ بھی خواہ زمین میں ہو یا آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی یا بڑی چیز۔ ۱۲

زیادہ کامل مستقل - کارآمد - عمدہ اور پایدار ہیں - اب تحقیق کا قدم آگے بڑھایا - اور صفات کمالی پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ سب فاعل حقیقی کی ذات میں موجود ہیں بلکہ اُسی سے اُن کا چشمہ فیض جاری ہوتا ہے - اور اُسی کو سب سے زیادہ سزاوار ہیں - بعد ازاں نقایص کی تلاش کی تو ایک کا بھی اُس ذات پاک میں پتہ نہ پایا - اور پاتا بھی کیونکر - اس لئے کہ عدم کمال تو ایک قسم کی کمی پر دلالت کرتا ہے اور ذات باری میں جو بسیط بلکہ حقیقی جوہر فرد ہے کمی کا دخل کہاں ؎

نہ پراگندۂ تا فراہم شوی نہ افزودۂ نیز تا کم شوی

اُسی نے ہر چیز کو وجود عطا فرمایا ہے اور اُس کے سوا کوئی بھی موجود نہیں شعر

پناہ بلندی و پستی توئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ[1] • اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ[2] • بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[3] عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ[4] • كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ[5] وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ •

تیسرا درجہ

خداوند لایزال کا علم حاصل ہونے کے بعد جو کسی علت کا معلول نہیں اور ہر چیز کے وجود کی علت ہے - اُسکو

[1] وہی ہے زندہ قایم ۱۲ [2] پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا ۱۲ [3] بنانے والا آسمانوں اور زمین کا ۱۲ [4] جاننے والا غایب اور موجود کا ۱۲ [5] جو کوئی دنیا پر ہے فنا ہونے والا ہے - اور باقی رہے گی اُس رب کی ذات جو بڑائی اور بزرگی والا ہے ۱۲-

یہ شوق پیدا ہوا کہ دریافت کرنا چاہیئے۔ یہ علم مجھے کن ذریعوں سے حاصل ہوا یعنی مجھ میں وہ کونسی قوت ہے جس کی مدد سے میں نے خدا کو پہچانا۔ سب سے پہلے حواس کو جانچنا شروع کیا۔ مگر دیکھا۔ کہ ان سے تو سوائے جسموں اور جسمانی صفتوں کے اور کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا مثلاً کان یعنی سُننے کی قوت سے سوائے آوازوں کے (جو ہوا کی موجوں سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ موجیں جسموں کے آپس میں ٹکرانے سے) اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح آنکھ یا دیکھنے کی قوت سے رنگ۔ ناک۔ یا سُونگھنے کی قوت سے بوئیں۔ زبان یا چکھنے کی قوت سے مزے اور چھونے کی قوت سے جو تمام جسم کی کھال میں پھیلی ہوئی ہے۔ سردی۔ گرمی۔ خشکی۔ تری۔ کھرکھراہٹ یا چکناہٹ کے سوا کچھ نہیں دریافت ہوتا۔ تخیلہ بھی صرف انہیں چیزوں کو سمجھ سکتی ہے جن میں لمبائی چوڑائی اور گہرائی ہو۔

صفات مذکورہ بالا سب جسمانی ہیں اور ہمارے حواس ان کے سوا کسی چیز کو دریافت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ ایسی قوتیں ہیں جو ہمارے جسموں میں پھیلی ہوئی اور جسموں ہی کی طرح قابلِ قسمت ہیں۔ اسلیئے سوائے قابل قسمت جسموں کے اور کچھ معلوم نہیں کر سکتیں علی ہذا القیاس ہر ایک جسمانی قوت سے سوائے جسموں اور جسمانی صفتوں کے اور کسی چیز کا علم نہیں ہو سکتا۔

مگر ثابت ہو چکا ہے کہ واجب الوجود تمام مادّی صفتوں سے بالکل

پاک ہے۔ لہذا اس کو سمجھنے والی کوئی ایسی قوت ہونی چاہیئے۔ جو نہ مادہ ہو نہ مادہ میں ہو۔ نہ اُس پر موقوف ہو۔ نہ اس سے کسی قسم کا لگاؤ رکھتی ہو۔

ان دلیلوں سے اس کو یقین ہو گیا کہ نہ میں اپنے جسم۔ ہاتھ۔ پاؤں دل و جگر وغیرہ محسوسات کے ذریعہ سے خدائے عزّ و جل کو جان سکتا ہوں نہ حواس وغیرہ قوائے جسمانی کی مدد سے۔ لہذا یہ واجب الوجود کو جاننے والی چیز جس کو میں "میں" کہتا ہوں۔ ان سب سے الگ کوئی چیز ہے۔ اس کا نام نفس رُوح یا کچھ ہی ہو۔ مگر اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ یہ جسمانی نہیں اور کل جسمانی صفتوں سے پاک ہے۔

اس پردے کا اُٹھنا اور حقیقت روح کا ظاہر ہونا تھا کہ وہ جسم جس کے آسائش و آرام کے لئے اب تک ہزاروں فکریں اور تدبیریں کی تھیں بالکل بے وقعت اور ذلیل معلوم ہونے لگا اور سب توجہ اُس جوہر شریف کی طرف مبذول ہو گئی۔ جس کی بدولت واجب الوجود کا علم حاصل ہوا تھا۔

معرفت کی اس دشوار گزار گھاٹی سے نکل کر دم لینے کی بھی مُہلت نہ ملی تھی کہ بے چین دماغ نے جس کو ترقی کے راستے میں کہیں ایک لمحہ کا وقفہ گوارا نہ تھا ایک اور منزل ہفتخواں کے طے کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اب یہ فکر دامنگیر ہوئی۔ کہ یہ جوہر لطیف

فانی ہے یا غیر فانی؟ لفظ فانی کے معنی پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ مٹنا یا فنا ہونا جسم کا خاصہ ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے فنا ہونے سے اس کے سوا کچھ مراد نہیں ہوتا۔ کہ اس کی شکل بدل جاتی ہے۔ یعنی ایک صورت کو چھوڑ کر دوسری صورت اختیار کر لیتی ہے۔ نہ یہ کہ مادّہ گم ہو جاتا ہے۔ مثلاً پانی بھاپ بن جاتا ہے اور بھاپ پھر پانی ہو جاتی ہے یا گھاس پات گل سڑ کر مٹی ہو جاتے ہیں اور مٹی پھر گھاس پات کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا غیر مادی چیز جو کوئی صورت نوعی نہیں رکھتی اس کے فنا اور تباہ ہونے کے کوئی معنی نہیں ❖

بیداری و خواب

حواس اور قوائے کے کاموں پر نظر تحقیق ڈالی تو معلوم ہوا کہ کبھی بالقوۃ کام کرتی ہیں اور کبھی بالفعل۔ مثلاً اگر آنکھ بند کر لی جائے یا جس چیز کو دیکھ رہی ہے اس سے پھیر لی جائے تو اس کا کام بالقوۃ رہ جائے گا۔ یعنی اگرچہ وہ اب کسی چیز کو یا شئے خاص کو نہ دیکھے۔ مگر آیندہ دیکھنے کی قوت اور قابلیت رکھتی ہے۔ لیکن جب دوبارہ کھول دی جائے یا شئے مذکور کیطرف پھیر دی جائے تو اس کا کام بالفعل ہوگا یعنی حقیقتاً کام میں مصروف ہوگی ❖

اس فرق کے دریافت کرنے کے بعد ذہن میں آیا کہ اگر کسی قوت کو بالفعل کام کرنا نصیب ہی نہ ہوا ہو بالقوۃ ہی کام کرتی رہی ہو

یا یوں کہنا چاہیئے۔ کہ قوت کے احاطہ سے نکل کر فعل کی حد تک پہنچی ہی نہ ہو تو اس کو کسی چیز کے دریافت کا بھی شوق نہ ہوگا۔ کیونکہ جب ایک چیز سے واقف ہی نہیں تو اس کا اشتیاق کیا ہوگا۔ جیسے مادر زاد اندھے کی حالت ہوتی ہے۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی قوت بالفعل احساس یا ادراک کر چکی ہو۔ اور بعد ازاں اس سے معذور ہو جائے یعنی اس کا کام بالقوۃ رہ جائے تو اسکو شئے معلوم کے دوبارہ ادراک یا احساس کی بڑی حسرت ہوگی۔ کیونکہ وہ گویا ایک ایسی نعمت سے محروم ہو جائیگی جس کی لذت اٹھا چکی ہے جیسے کوئی انکھیارا اندھا ہو جائے تو جن چیزوں کو وہ دیکھ چکا ہے اُن کو دوبارہ دیکھنے کے لئے اس کی طبیعت سخت بے چین اور بے قرار ہوگی۔ اور جس قدر یہ چیزیں زیادہ خوب صورت۔ شاندار اور کامل ہونگی اُسی قدر اُن کے پھر دیکھنے کی حسرت زیادہ ہوگی۔ اور اُن کے دیدار کی لذت سے محروم ہو جانے کا افسوس۔ قلق اور رنج ہوگا۔ لہٰذا اگر کسی چیز کے حُسن و جمال کی نہایت۔ جاہ و جلال کا پایان اور کمال کی حد ہی نہ ہو تو جو کوئی اس سے واقف ہونے کے بعد اس کے نظارہ سے محروم ہو جائے۔ اُس کو اس مفارقت اور جدائی کا رنج و قلق بھی بیحد و نہایت ہوگا۔ پس میری روح جو دیدار الٰہی کے شوق میں تڑپتی ہے۔ اُس کو بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی وقت جمال خداوندی کا نظارہ ضرور نصیب

ہو چکا ہے۔

ابھیاس

اب تو حضرت واجب الوجود سے ایسی لو لگی کہ دوسرے خیال کے آنے سے تکلیف ہونے لگی۔ سب سے اول محسوسات سے رشتۂ الفت توڑا۔ حواس اور قواے جسمانی کو اُن کے افعال طبعی سے روکا اور معطّل کیا ضرورتوں کو جہاں تک ممکن ہوا کم کیا۔ مگر چونکہ مادیّات سے قطع تعلق کئے بغیر یہ قبضہ میں آنے والی نہ تھیں۔ لہذا عالم اجسام سے حتے الوسع سب رشتوں اور علاقوں کو توڑ کر ایک غار میں رہنا اختیار کیا۔ سر زانو پر رکھے اور آنکھیں بند کئے کل توجہ اور تمام خیالات کو واجب الوجود کی طرف رجوع کرنے کی کوشش کی۔ آخر ریاضت اور مجاہدہ کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ قواے جسمانی کے ضعف کے ساتھ ہی اول تو وہ نفسانی خواہشیں جن کا پورا ہونا جسمانی حرکتوں پر موقوف ہے کمزور ہو گئیں۔ دوسرے روح کے تصرفات جو جسم کے پابند نہیں قوت پکڑ گئے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اس کا استغراق ایسا کامل اور جسم کی آلایشوں سے

لہ یہ خیال مذہب اور فلسفہ دونوں میں مشترک ہے۔ قصۂ میثاق تو شاعری کا ذلیل بکر ایسا مشہور ہوا ہے کہ شاید ہی کوئی شخص جس کو فارسی یا اردو شاعروں کے کلام سے آگاہی ہے اس سے ناواقف ہوگا یعنی ازل میں خداوند تعالیٰ نے تمام روحوں کو جمع کرکے پوچھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں) سب نے بالاتفاق جواب دیا بلیٰ (بیشک ہے)۔ اسی طرح بعض یونانی حکما کا خیال ہے کہ روحیں عالم بالا کی ہیں۔ جو کچھ دیکھ چکی ہیں وہ کسی کو زیادہ کسی کو کم یاد ہیں۔ جس کو جتنا زیادہ یاد ہے اتنا ہی اُس کا رجحان نیکی اور بھلائی کی طرف زیادہ ہے جس کو جتنا کم یاد ہے اتنا ہی اس کا میلان بدی کی جانب زیادہ ہے۔ ۱۲

پاک ہونے لگا کہ حضرت واجب الوجود کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا تھا۔
ہر وقت ایک ہی دھیان اور ایک ہی دھن میں رہنے لگا۔ اگر اتفاقاً
ماسوا کا خیال حریم دل میں بھولے سے قدم رکھ لیتا تو فوراً جسارت
اور گستاخی کی سزا پاتا اور نکال باہر کیا جاتا۔ اس میں اُسے یہاں
تک اصرار ہو گیا کہ بعض اوقات کئی کئی روز برابر نہ کچھ کھاتا نہ اپنی
جگہ سے حرکت کرتا۔ تصور الٰہی میں سر بگریباں بیٹھا رہتا شعر

دل من پیر تعلیم است و من طفل زباندانش
دم تسلیم سر عشر و سر زانو دبستانش

رفتہ رفتہ یہاں تک اجتماع خیالات پر قادر ہو گیا کہ ماسوا کا خیال
اُس کے مراقبہ کے حصار میں قدم رکھ ہی نہ سکتا تھا۔ اب تو موجود حقیقی کے
تصور میں ایسا غرق ہوا کہ غیر تو غیر خود اپنا وجود بھی فراموش ہو گیا +

سر و سامان وجودم شرر عشق بسوخت — زیر خاکستر دل سوز نہانم باقیست
کاروانم ہمہ بگزشت زمیدان شہود — ہمچو نقش کف پا نام و نشانم باقیست

سوائے واحد حقیقی کے کچھ نہ رہا۔ اور یہ آواز کانوں میں آنے لگی لِمَنِ
الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج کس کی بادشاہت ہے۔ خدائے
واحد زبردست کی) خود رفتگی کا یہ عالم ہوا۔ کہ وہ حالت جس کی نسبت
ارشاد ہوا ہے کہ لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ
عَلٰى قَلْبِ الْبَشَرِ (نہ جس کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا نہ کسی انسان کے
دل میں اُس کا خیال آیا) اپنی آنکھ سے دیکھ لی +

جب اُس حالت استغراق سے آپے میں آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ میرے اور موجود حقیقی کے وجود میں غیریت نہیں بلکہ اُس کے سوا مجھ میں کچھ بھی نہیں۔ نیز یہ کہ موجود حقیقی ہرگز قابل کثرت نہیں اور اس کا علم ذات ہی عین ذات ہے جس سے اُس نے استدلال کیا کہ "مجھ کو علم ذات ہے اور جس کو علم ذات ہے وہ عین ذات ہے۔ لہذا میں عین ذات ہوں"

شعر

سرفرو بردہ بجیب دو جہاں مے نگرم
حشق از تار نظر یافت مگر سوزن ما

عالمِ قدس کی سیر و سیاحت سے پھر عالم تعلق میں آیا تو اُس دُنیاوی فانی زندگی کے مکروہات اور پریشانیوں سے اُس کو سخت نفرت ہوئی اور حیاتِ جاوید کے زبردست شوق اور پُرجوش تمنا سے ساغر دل لبریز پایا۔ پھر پہلے طریقہ سے حالتِ بیخودی کے حصول کی کوشش کی۔ اب کی مرتبہ پہلے کی نسبت آسانی سے کامیابی ہوئی اور زیادہ عرصہ تک لطف اٹھانا نصیب ہوا۔ اس روحانی معراج میں اُس نے جو کچھ دیکھا اُس کو مفصل بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ مختصر حال یہ ہے کہ کرہ فلک الافلاک پر ایک موجود نظر آیا جس کا کوئی موجد نہ تھا۔ یہ آفتاب کے اُس عکس کی طرح تھا جو عمدہ صیقل کئے ہوئے آئینہ میں پڑے۔ اس کے علاوہ خود اس علیحدہ اور ممتاز کرہ کے نفس میں وہ کمال جلال اور جمال نظر آیا کہ زبان اس کی عظمت کے بیان سے

عاجز اور الفاظ اُس کی شوکت کے اظہار سے قاصر ہیں۔ حد کی مسرت بلکہ بے انتہا بہجت میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس سے نیچے کا کرہ یعنی فلک ثوابت بھی ایک نفس رکھتا تھا۔ جو موجود حقیقی اور فلک الافلاک کے نفس دونوں سے ممتاز تھا۔ اور آفتاب کے اُس عکس سے مشابہ تھا جو مقابل کے آئینہ سے کسی دوسرے آئینہ میں پڑے۔ اس میں بھی اُس کو ویسی ضیا۔ حُسن اور نشاط نظر آئی جیسی فلک الافلاک کے نفس میں دیکھ چکا تھا۔ اسی طرح باقی تمام کُروں میں بھی اُس نے اسی قسم کے غیر مادی مگر متمیز نفوس دیکھے۔ اور ویسی ہی ضیاء و بہجت نظر آئی۔ اُس کی آنکھ سے وہ حُسن و نور نشاط و سرور گذرا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا تھا۔ رفتہ رفتہ عالم سفلی یعنی عالم کون و فسا د کی طرف آیا جس پر فلک قمر محیط ہے۔ اس کے نفس کے جو مثل دیگر نفوس کے غیر مادی تھا ستر ہزار چہرے۔ ہر چہرے میں ستر ہزار مُنہ اور ہر مُنہ میں ستر ہزار زبانیں تھیں جو ہر وقت حضرت واجب الوجود کی تسبیح و تہلیل میں مشغول تھیں۔ اب اُس کو اپنے نفس اور اپنے ہمرتبہ دوسرے نفسوں میں بھی وہ انتہا کا حُسن و ضیاء و نور نظر آنے لگا جس کو سوائے اُن لوگوں کے جن کی یہاں تک رسائی ہو چکی ہے اور اپنی آنکھ سے دیکھ چکے ہیں نہ کوئی بیان کر سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے +

ساتھ ہی بہت سے نفوس ایسے بھی نظر آتے جو زنگ آلود آئینوں

کی طرح تھے۔ اُن کے مَیلے۔ مکدر چہرے اُن صیقل شدہ آئینوں سے جن میں آفتاب کا عکس پڑ رہا تھا صاف علیحدہ معلوم ہوتے تھے۔ اسقدر میل چڑھا ہوا اور اتنے کثرت سے عیب تھے کہ وہم و گمان میں بھی نہ آئیں۔ بے انتہا دردوں اور تکلیفوں میں مبتلا تھے کہ آہ و نالہ سے دم لینے کی مہلت نہ ملتی تھی۔ عذابوں نے اُن کو گھیر رکھا تھا اور فراق کا آتشیں نقاب چہروں کو جلا رہا تھا۔

اب اُس نے اول الذکر مقبول بارگاہ نفوس کی طرف پھر نگاہ کی تو دیکھا کہ جسم اور اُس کی تمام آلودگیوں سے بالکل پاک ہیں صرف موجود حقیقی سے جو اُن کے وجود کی علت ہے وابستہ ہیں اور اُسی کے محتاج ہیں۔

چونکہ دونو عالم پیش نظر تھے مقابلہ کیا تو صاف معلوم ہونے لگا۔ کہ گو عالمِ اجسام عالم ارواح کے ساتھ وہی تعلق رکھتا ہے جو سایہ کو جسم کے ساتھ ہے اور گو عالمِ ارواح کو نہ اس کی ضرورت ہے نہ احتیاج۔ تاہم اُس کو فانی سمجھنا خیال محال ہے۔ کیونکہ یہ عالم ارواح کا تابع ہے اور اس کی فنا استحالہ یا تبدیلِ صورت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے نہ نیستی کی۔ چنانچہ خداوند تعالےٰ خود قیامت کے بیان میں فرماتا ہے یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (جس دن انسان مثل پراگندہ پروانوں کے ہوں گے اور پہاڑ مثل دھنکی ہوئی اُون کے)۔

نظارہ دو عالم سے ہنوز ذرا بھی سیری نہ ہوئی تھی کہ دفعتہً اس خوا
نوشیں سے چونک پڑا- تو دیکھا کہ بدستور عالم اجسام کے گھوڑے پر
بیٹھا ہوا ہوں- مگر آنکھ کھلتے ہی پھر عالم بالا کی سوجھنے لگی- اور حالت
گذشتہ کے حصول کے لئے رسیاں توڑنے لگا- اب کی مرتبہ آ ذر
بھی آسانی سے منزل مقصود پر پہنچنا میسر ہوا اور آرام کی بھی زیادہ
مہلت ملی +

قاعدہ ہے کہ مزاولت سے ہر ایک کام خواہ کیسا ہی مشکل ہو
آسان ہوتا چلا جاتا ہے- چنانچہ حی کی بار بار جانفشانیوں کا یہ نتیجہ
ہوا کہ روز بروز اس حالت کا حاصل کرنا سہل اور قرار کی مدت دراز
ہوتی گئی- یہاں تک کہ اب تو جب اور جتنی دیر اُس کا جی چاہتا
صحرائے پرنور کی گلگشت کرتا- صرف ضرورت جسمی کا کانٹا اب بھی
کبھی کبھی عین مزے میں چبھ جاتا- اور اُس کے نکالنے کے لئے
بمجبوری گلشن روح افزا سے علیحدہ ہونا پڑتا تھا- مگر اُس نے
کوشش کرکے اِن جسمانی ضرورتوں کو بھی ایسے تنگ احاطہ میں
قید کر لیا کہ اُس سے زیادہ تنگ دایرہ وہم و گمان میں بھی نہیں
آسکتا +

تماشا یہ تھا کہ جس قدر حصول مقصود آسان ہوتا جاتا تھا اور جتنی
زیادہ دیر شاہد مراد سے ہمکنار رہتا تھا اوتنا ہی جدائی کا زمانہ
اگرچہ یک ہی منٹ کیوں نہ ہو شاق گزرتا تھا شعر

وصال یار سے دونا ہوا عشق مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

لہٰذا اُسے سخت حسرت ہوتی تھی کہ کاش قادرِ مطلق مجھ کو جسم کی آلایشوں سے بالکل ہی آزاد کر دیتا کہ ہمیشہ اسی طرح محو بے خودی رہتا اور رنج و غم کے خار سے چھوٹ جاتا۔ کیونکہ جب کبھی جسمانی ضرورتیں زبردستی اس کو عالم محویت سے بدر کر دیتی تھیں۔ تو دوہری تکلیف ہوتی تھی۔ ایک تو گلشن رُوح پرور سے نکلنے کی۔ دوسری مکروہات جسمانی میں پھنسنے کی ٭

اصل سے ملاقات

اس اثناء میں اُس کی عمر پچاس سال کی ہو گئی۔ اُس وقت دفعتہً اُس کی زندگی میں ایک تغیر عظیم واقع ہوا۔ یعنی ایک عجیب اتفاق سے اُس کی ملاقات ایک اپنے ہم جنس اَصل نامی سے ہوئی۔ اس تعارف کی صورت یہ ہوئی کہ جس جزیرہ میں حی پیدا ہوا تھا (جیسا اُس کی ولادت کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے) اُس کے قریب ہی ایک اَور جزیرہ تھا۔ پُرانے انبیاء علیہم السّلام کے مذہبوں میں سے ایک مذہب کے ماننے والے کچھ لوگ دنیا کے غل غپاڑے سے گھبرا کر اطمینان سے زندگی بسر کرنے کی غرض سے اس جزیرہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ ایسی فصیح گفتگو اور ایسی عمدہ تقریر کرتے تھے۔ اور اس خوبی سے اپنے خیالات کو تمثیلوں اور حکایتوں کے ذریعہ سے دوسروں کے ذہن نشین کرتے تھے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اُن کے

مذہب کی ایسی شہرت اور وہ عروج ہوا - کہ خود حاکم جزیرہ بھی ان کے مذہب میں داخل ہوگیا اور رعایا نے بھی یہی دین اختیار کر لیا - اس مذہب کے پیرووں میں دو شخص اصل اور سلامان نامی ایسے پیدا ہوئے جنکو مبدا فیاض سے بہت سی خوبیاں - اچھی عادتیں اور عمدہ خصلتیں عطا ہوئی تھیں اور نیکی کے دلدادہ تھے - یہ دونو اپنے مذہب کے نہایت پابند تھے اور تمام فرایض کو بلاقضا ادا کرتے تھے - اسی کارِ خیر میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی غرض سے دونو نے آپس میں دوستی کا عہد و پیمان کیا اور مذہب کے اکثر مسئلوں کی مثل خدا کے وجود - اُس کے فرشتوں - روز قیامت اور آیندہ زندگی میں سزا و جزا کی ملکر تحقیق کی ⁂

اصل اور سلامان کی طبیعتوں کا اختلاف

اگرچہ فرایض کے ادا کرنے اور نفسانی خواہشوں کو زیر کرنے میں دونو یکساں مستعد اور سرگرم تھے - مگر پھر بھی بہت سی باتیں ایسی تھیں جن میں کسی طرح اتفاق نہ کرسکے - وجہ یہ کہ دونو کی طبیعتوں میں اختلاف تھا - اصل زیادہ بات کی تہ کو پہنچنے والا اور بال کی کھال نکالنے والا تھا - لفظوں کے پوشیدہ معانی دریافت کرتا اور نہایت جاں فشانی سے تاویلیں کرتا تھا - بخلاف اس کے اس کا ساتھی سلامان ظاہر بین تھا - تاویلات کی زحمت کبھی گوارا نہ کرتا تھا - اور باریکیوں اور دقتوں سے جی چُراتا تھا ⁂

ان کے مذہب میں بعض قول ایسے تھے کہ گوشہ نشینی اور تنہائی کی زندگی کی طرف رغبت دلاتے تھے اور اشارۃً بتلاتے تھے۔ کہ اصلی خوشی اور نجات اسی ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر ایسے قول بھی بکثرت تھے جو مِل جُل کر رہنے۔ آپس میں اچھا سلوک کرنے اور ایک دوسرے کی رائے سے فایدہ اٹھانے کی ہدایت کرتے تھے*

اَصل چونکہ فطرۃً باریک بین اور تحقیق کی طرف مایل تھا۔ اُس نے پہلے قولوں کو ترجیح دی اور گوشہ نشینی کو نجات و فلاح کا ذریعہ سمجھا۔ کیونکہ تجرد و تنہائی سے اُسے بہت اعلے مقاصد کے پورا کرنے کی اُمید تھی۔ سلامان کی طبیعت میں سلامت روی تھی اور باریکیوں سے گھبراتا تھا۔ لہذا اس نے دوسرے قولوں کو دستور العمل بنایا۔ اور میل جول اور تبادلۂ خیالات کو پسند کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ ہمجنسوں کی محبت میرے خیالات کے دور رکھنے کا سب سے اچھا وسیلہ ہے۔ اور نفس امارہ کے اشاروں اور تحریکوں کی طرف متوجہ ہونے سے روکتی ہے*

آخر باوجود یارِ غار ہونے کے اِس معاملہ خاص میں اختلافِ رائے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کو ایک دوسرے سے جدائی اختیار کرنی پڑی*

اسل اُس جزیرہ کے حالات سن چکا تھا جس میں مشہور روایت کے مطابق حیّ نے پرورش پائی تھی۔ اسکی شادابی۔ زرخیزی۔ اعتدالِ آب و ہوا اور سامانِ

آسایش سے واقف تھا۔ اس سے بہتر امن و عافیت کی جگہ اُسے کہاں نصیب ہو سکتی تھی۔ اس لئے اس جزیرہ کو ہجرت کرنے اور باقی زندگی تنہائی اور تجرد میں بسر کرنے کا اُس نے مصمم ارادہ کر لیا سب مال و اسباب جمع کر کے جتنا یہاں سے جزیرہ مذکور تک کرایہ جہاز کے لئے ضروری تھا اُتنا علیحدہ کر لیا اور باقی فقیروں اور محتاجوں کو بانٹ دیا۔ بعد ازاں اپنے دوست سلمان سے رخصت ہو کر بسم اللہ مجریھا و مرسھا کہتا ہوا جہاز پر سوار ہو گیا۔ جہاز رانوں نے مع الخیر جزیرۂ مذکور کے کنارہ پر اُتار کر اپنی راہ لی +

یہاں آتے ہی خداوند ذوالجلال کی طاعت اور اس کے ناموں اور صفتوں پر غور کرنے میں مشغول ہو گیا۔ نہ کوئی خلل انداز تھا نہ توجہ ہٹانے والا۔ بھوک لگتی تھی تو پھل یا شکار کا گوشت بقدر ضرورت کھا لیتا تھا اور پھر یاد الٰہی میں مصروف ہو جاتا تھا۔ کچھ عرصہ تک اسی طرح عبادت اور مناجات میں نہایت راحت اور اطمینان سے بسر کرتا تھا۔ ہر روز پروردگار کی عنایتوں اور بخششوں کا نیا تجربہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ کل چیزیں جن کی اُسے حاجت تھی اور زندگی کے لئے ضروری تھیں۔ آسانی سے دستیاب ہو گئیں۔ یہ روزانہ نوازشیں دیکھ کر اُس کا ایمان اور توکل اور بھی قوی ہو گیا +

حی کی اس زمانہ میں یہ حالت تھی کہ سراپا اپنی بلند فکروں میں

ڈھونڈھا ہوا مراقبہ کے گنبد میں رہتا تھا۔ اور بہت ہی کم غار سے باہر نکلتا تھا۔ یعنی ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ غذا کی تلاش میں باہر آتا تھا۔ اور جو کچھ بلا دقّت ہاتھ کے داؤ ملتا لیکر پھر فوراً غار میں داخل ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک آصل کی اور اُس کی مڈبھیڑ نہ ہوئی تھی۔ آصل نے تمام جزیرے کو چھان ڈالا تھا۔ اور کناروں پر بھی گشت لگا چکا تھا۔ مگر نہ کوئی انسان اُسے کہیں ملا تھا۔ نہ انسان کا نقش پا نظر آیا تھا۔ جس سے وہ اپنے دل میں بہت ہی خوش تھا کہ یہاں میری تنہائی و تجرد میں خلل ڈالنے والا کوئی نہیں ہے +

اسال اور حی کا دوچار ہونا

آخر ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آصل گشت لگاتا ہوا حی کے غار کے پاس پہنچا ہی تھا کہ وہ بھی برامد ہوا اور ایک دوسرے پر نظر پڑی۔ آصل کو تو فوراً یقین ہو گیا کہ یہ بھی میری طرح کوئی خلوت پسند عابد ہے۔ جس نے تنہائی کے خیال سے اس جزیرہ کی سکونت اختیار کی ہے۔ دل میں سوچنے لگا۔ کہ اس کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں کہیں ایسا نہ ہو میری وجہ سے اس کے ذکر و فکر میں ہرج واقع ہو +

رہا حی ابن یقظان وہ بالکل سمجھ ہی نہ سکا کہ میں یہ کیا چیز دیکھ رہا ہوں کیونکہ اب تک جتنے جانور اُس نے دیکھے تھے۔ اُن میں اور اس میں کوئی مناسبت اور مشابہت ہی نہ معلوم ہوتی تھی آصل اس وقت صوف کی سیاہ عبا جس کو وہ نہایت معمولی لباس

خیال کرتا تھا۔ پہنے ہوئے تھا۔ لیکن حی کو اس سے ایسا تعجب ہوا
کہ دیر تک حیرت میں غرق کھڑا دیکھا کیا۔ اصل سمجھا۔ یہ استغراق
کی حالت میں ہے۔ ایسا نہ ہو میرے سبب سے اس کی توجہ بٹے
اور محویت میں فرق آئے۔ یہ خیال کر کے وہ مڑا اور بھاگا۔ حی
کی طبیعت میں جو تحقیق کا قدرتی شوق تھا اُس نے ایسا مجبور کیا کہ
یہ بھی ہمزاد کی طرح اُس کے پیچھے ہو لیا۔ مگر جب دیکھا کہ وہ نہایت
قوت اور تیزی کے ساتھ بھاگا ہی چلا جاتا ہے تو تعاقب چھوڑ کر اور
مغالطہ دینے کی غرض سے تھوڑی دور پیچھے ہٹ کر ایک جگہ چھپ کر
بیٹھ رہا۔ یہ دیکھ کر اصل کی ذرا جان میں جان آئی اور حواس بجا ہوئے
کیونکہ جب سے حی کو اپنے پیچھے آتے دیکھا تھا وہ درحقیقت جان کے
خوف سے بھاگ رہا تھا۔ خیال ہوا کہ دشمن نے نومید ہو کر میرا پیچھا
چھوڑ دیا۔ اور اپنے مسکن کو واپس گیا۔ اس لیئے اطمینان کے ساتھ
اپنی عادت کے موافق دُعا اور مناجات میں مشغول ہوا۔ اور ایسا محو
ہوا کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی ؛

اس اثناء میں حی اُس کی نظر سے اوجھل آہستہ آہستہ
دبے پاؤں قریب آتا گیا۔ اور آخر اتنا نزدیک آ گیا کہ دُعا و
مناجات کی آواز کان میں آنے لگی۔ یہ آواز نہایت دلکش
معلوم ہوئی۔ کیونکہ اوّل تو کسی جاندار کی ایسی آواز اب
تک گوش زد ہی نہ ہوئی تھی۔ دوسرے چونکہ الگ الگ اور

متمیز لفظوں سے مرکب تھی۔ اُس کا اُتار چڑھاؤ اور وقفے اور بھی دل کھینچے لیتے تھے۔ چھپے ہی چھپے عبادت کرنے والے چہرے اور خط و خال کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ جس کی تلاش میں تمام جزیرہ کی خاک چھان چکا ہوں وہی گوہر مراد یعنی ہم صورت ہے۔ اب تو اطمینان ہو گیا۔ کہ جو سیاہ چیز وہ پہنے ہوئے ہے قدرتی کھال نہیں ہے بلکہ میری اپنی پوشش کی طرح مصنوعی لباس ہے۔ وہ جس خوبصورتی اور شایستگی سے معبود کے سامنے عجز و زاری میں محو تھا۔ اُس پر جب نظر گئی تو یقین ہو گیا کہ یہ بھی ضرور انہیں نفوس میں سے ہے۔ جن کو موجود حقیقی کا علم حاصل ہو چکا ہے ✦

اس خیال کا آنا تھا کہ ملاقات اور دریافت حالات کے شوق نے پھر بیتاب کر دیا اور ارادہ مصمم ہو گیا کہ ہر چہ بادا باد ظاہر ہو کر اور قریب چل کر دریافت کرنا چاہیئے کہ یہ کیا حالت ہے اور اس خاکساری اور گریہ زاری کا کیا باعث ہے۔ مگر جونہیں آصل کی اس عجیب الخلقت پر نظر پڑی کہ ع نماز کیسی دعا کہاں کی۔ سب چھوڑ چھاڑ پھر فرو ہوا لیکن حی ابن یقظان نے جس کو خدا نے علم اور جسم دونوں کی قوت عطا فرمائی تھی اب کے مرتبہ اپنی پوری طاقت سے پیچھا کیا۔ تھوڑی ہی دور چل کر جا لیا اور ایسا مضبوط پکڑا کہ اُس نے ہر چند کوشش کی۔ مگر کسی طرح اس حبس بے جا سے گلو خلاصی میسر نہ ہوئی ✦

اصل کا مرسے کو خوش کرنا اور دلاسا دینا

جب اصل نے قریب سے دیکھا کہ حریف جانوروں کی کھالیں مع بالوں کے پہنے ہوتے ہے اور اپنے جسم کے بال بھی اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ نصف جسم کو ڈھانک لیا ہے۔ طاقت و زور چستی و چالاکی کا وہ عالم ہے جو ابھی مشاہدہ ہوا تو ڈر کے مارے دم فنا ہونے لگا۔ اور چاپلوسی سے میٹھی میٹھی باتیں بنا کر اور پچکار کر اُس کو خوش کرنا چاہا۔ مگر حبشی ایک لفظ بلکہ ایک حرف بھی نہ سمجھا۔ صرف اتنا سمجھ میں آیا۔ کہ میرے قیدی پر خوف بہت چھایا ہوا ہے۔ اس لئے جو جو بولیاں جانوروں سے سیکھی تھیں اُن کے ذریعہ سے تسلی دینے لگا۔ نہایت نرمی سے اُس کے سر اور گردن پر ہاتھ پھیرا۔ اور جہاں تک ممکن تھا مہربانی اور خوشنودی کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ اصل کا خوف ذرا کم ہوا اور سمجھا کہ اس کا ارادہ مجھے ضرر پہنچانے کا نہیں ہے ؛

گفتگو کی کوشش

اصل کو چونکہ علم کا بیحد شوق تھا۔ لہٰذا وہ بہت سی زبانوں میں مہارت حاصل کر چکا تھا۔ اسوقت اُسکو فخر کے ساتھ اپنے علم کی قدر ہوئی۔ کیونکہ خیال ہوا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی زبان تو میرا وحشی آشنا جانتا ہوگا چنانچہ ہر زبان میں جس سے خود واقف تھا حبشی سے اُسکی حالت کی نسبت سوال کرنے شروع کئے اور اُس کے مشاغل اور بود و باش کے طریقے دریافت کرنے چاہے۔ ہاتھ سر اور آنکھ وغیرہ کے

اشاروں سے بھی حتے الوسع مطلب سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر اُس کی یہ حالت تھی کہ ٹکر ٹکر دیدم دم نکشیدم۔ تصویر حیرت بنا کھڑا تھا اور ہر چند ذہن رسا پر زور ڈالتا تھا۔ لیکن خاک سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان آوازوں اور حرکتوں کا کیا مطلب ہے۔ صرف اتنا معلوم ہوتا تھا کہ سب دوستی اور خیر خواہی کی علامتیں ہیں۔ غرض بہت دیر تک دونو اسی طرح حیرت میں ڈوبے ایک دوسرے کا مُنہ تکا کئے۔ شعر

من از تمکین تو از سیرت نہ ایماے نہ تقریرے ۔۔۔ بداں مانکہ ہم بزم است تصویرے بہ تصویرے

[illegible]

اَصل جو زادراہ اپنے جزیرہ سے ہمراہ لایا تھا۔ اُس میں سے تھوڑا سا اب بھی بچا ہوا اُس کے پاس موجود تھا دوستانہ بڑھانے کی غرض سے حی کی تواضع کیا مگر وہ مطلق نہ سمجھا کہ یہ ہے کیا بلا۔ کیونکہ اُس نے کبھی کوئی ایسی چیز دیکھی ہی نہ تھی۔ یہ دیکھ کر اصل نے پہلے خود کھا کر بتایا اور پھر کھلائی۔ اب وہ مطلب تو سمجھ گیا مگر فوراً اُن قاعدوں کا خیال آیا۔ جو غذا کے متعلق اُس نے اپنے اوپر لازمی کر رکھے تھے۔ اور دل میں سوچنے لگا کہ جو چیزیں میرے سامنے پیش کی گئی ہیں خدا جانے کس قسم کی ہیں اور ان کا کھانا میرے قواعد مقررہ کے مطابق جایز ہے یا ناجایز۔ اس لئے اُس نے اب بھی کھانے میں تامل کیا مگر اَصل کا اصرار بڑھتا ہی گیا ؛

[illegible]

ادھر حی کو خود اُس سے تعارف کا بڑا اشتیاق تھا۔ اور اصرار پر انکار اور انکار پہ اصرار

کرنے میں خوف تھا کہ اس قدر دقتوں کے بعد جو اُلفت و اُنس پیدا
ہوا ہے کہیں دفعتہً غت ربود نہ ہو جائے۔ اس لئے آخر میزبان کے
پاس خاطر سے کھانا گوارا کیا۔ مگر ایک لقمہ ہی لیا تھا کہ غذا لذیذ معلوم
ہوئی تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور دل میں کہنے لگا۔ کہ جس بات کا
اندیشہ تھا آخر وہی پیش آئی۔ میں نے یقیناً غلطی کی کہ ایک اجنبی
کی دوستی کے خیال سے اپنے دل سے کھانے کے متعلق جو عہد و پیمان
کر رکھے تھے اُن کو توڑ ڈالا۔ اپنی اس حرکت سے اُس کو ایسی ندامت
ہوئی کہ بے اختیار جی چاہتا تھا۔ کہ اصل سے جو اس عہد شکنی کا باعث
تھا بغیر نوٹس دئے کوسوں بھاگ جائے۔ اور کبھی صورت نہ دیکھے اور
مجاہدہ اور مراقبہ کے ذریعہ سے اپنی گذشتہ حالت پر آ جائے۔

نتیجہ

مگر جب دیکھا کہ خواہش کے ساتھ ہی جیسا معمول ہو گیا تھا۔
روحانی عالم کی سیر میسر نہ ہوئی تو خیال ہوا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ تو
ہو ہی چکا اب تو تھوڑے عرصہ تک اس کے ساتھ عالم اجسام میں ہی
رہنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس کے حالات دریافت کرنے کا جو
شوق ہے پورا ہو جائے تو اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ حالت سابقہ
کی طرف رجوع کروں۔ اُدھر اصل نے جب دیکھا کہ میرا وحشی دوست
بالکل بول ہی نہیں سکتا تو اُس کو بھی اطمینان ہو گیا کہ اس کی
صحبت سے میرے مذہبی خیالات پر کوئی برا اثر نہیں پڑ سکتا۔ علاوہ
ازیں اُسکو یہ بھی خیال ہوا۔ کہ شاید میں کسی وقت زبان علم اور

مذہب سمجھا کہ اس حیوان مطلق کو حیوان ناطق بنا سکوں جو یقیناً بڑے ثواب کا کام اور درگاہ الہی میں تقرب کا باعث ہوگا *

بہت غور و فکر کے بعد اس نے طریقہ تعلیم وہی اختیار کیا۔ جو آج کل بھی ابتدائی مدارس میں بچوں کی تعلیم کے لئے نہایت مناسب خیال کیا جاتا ہے۔ یعنی کوئی چیز لیکر اُس کو دکھاتا اور خود اس کا نام لیتا۔ اور وہاں تک تکرار کرتا کہ شاگرد سے اُس کا تلفظ کرا لیتا۔ شاگرد کو چونکہ غیر معمولی ذہانت عطا ہوئی تھی اور عقل کے آئینہ کو پہلے ہی صیقل ہو چکی تھی وہ بہت جلد ان آوازوں کی مثل دوسری آوازوں کے نقل کرنے لگا۔ جو سبق پڑھا دیا جاتا تھا پتھر کی لکیر ہو جاتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام نام سیکھ گیا اور خاصی گفتگو کرنے لگا *

اب اصل نے پھر اُسکی حالت کے متعلق سوال کیا اور پوچھا۔ کہ تم یہاں کس طرح اور کہاں سے آئے۔ تو اُس نے جواب دیا

اس طریق تعلیم کا خیال بھی مصنف کو شاید بعض اور خیالات کے حضرت آدم ع کے قصہ سے ہوا ہے جب فرشتوں کو معلوم ہوا کہ خدا آدم کو اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجنے والا ہے تو انہوں نے کہا کہ خدایا کیا تو ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنانے گا جو زمین پر فساد کرے۔ اور خون بہائے حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا میں مصروف ہیں خدا نے کہا مجھے اُن چیزوں کا علم ہے جو تم نہیں جانتے اس کے بعد فرشتوں کے خیال کی غلطی اور آدم کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے خدا نے آدم کو علم سکھایا اور وہ فرشتوں پر سبقت لے گئے۔ اس تعلیم کو خدا نے یوں بیان فرمایا ہے وعلم آدم الاسما کلھا خدا نے آدم کو تمام نام سکھا دیئے فعل و حرف کا آیت میں کچھ ذکر نہیں ۱۲

کہ اپنی اصل اور ماں باپ کے حالات سے تو میں بالکل واقف نہیں نہ یہ معلوم کہ میری پیدایش اسی جزیرہ میں ہوئی یا اور کہیں سے آیا ہوں۔ ہوش سنبھالا۔ تو یہ دیکھا کہ اسی جزیرہ میں ایک ہرنی میری پرورش کرتی ہے؛

اِس کے بعد اپنی مفصّل حالت۔ بود و باش کا طریقہ شروع سے آخر تک اور علمی ترقی کا حال مع روحانی عالم کی دلچسپ داستان کے بیان کیا ضمن میں حقیقت کے سیکڑوں بھید ظاہر کر گیا۔ اُن نفوس کا ذکر کیا جو عالمِ اجسام سے بالکل آزاد ہیں۔ اور جن کو موجودِ حقیقی کی معرفت حاصل ہو چکی ہے۔ قادر ذوالجلال کی ذات صفات کی مخاطب کی سمجھ کے مطابق تھوڑی سی تشریح کی۔ اور جہاں تک ممکن ہوا اصلیین کے سکھ اور مہجورین کے دُکھ کی مفصل کیفیت جو دیکھی تھی بیان کی؛

آصل اس تمام داستان کو نہایت استعجاب سے سُنتا رہا۔ اور جب شاگردِ رشید بلکہ اُستادِ کامل نے اپنا قصہ ختم کیا۔ تو اُسکو ذرا بھی شُبہ باقی نہ رہا کہ مذہب میں خدا کے حکموں۔ اُسکے فرشتوں۔ آسمانی کتابوں۔ پیغمبروں۔ روزِ قیامت۔ جنت و دوزخ کی نسبت جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سب حی ابن یقظان کے سچّے خواب کی تعبیر ہے۔ یہ دیکھ کر کہ جو کچھ حی نے عقل یا رُوح کے

لہ کلموا الناس علیٰ قدرِ عقولھم (آدمیوں سے اُنکی عقل کے اندازہ سے بات کرو)

ذریعہ سے دریافت کیا ہے اور جو کچھ مجھے بذریعہ مذہب پہنچا ہے (اصل و نقل) آپس میں بالکل مطابق ہیں۔ دل کی آنکھیں کھل گئیں اور دماغ نورانی ہو گیا۔ صوفیانہ تاویلیں اب بالکل سیدھی سادی معلوم ہونے لگیں۔ اور مذہب کے تمام حکموں اور ہدایتوں میں ذرا بھی اُلجھاؤ اور گنجھل پن باقی نہ رہا +

غرض کہ حی کا فسانہ سُنکر اُسکے ایمان کو نہایت قوت اور دل کو پورا اطمینان ہو گیا۔ شاگرد مجازی اور اُستاد حقیقی سے صرف محبت ہی پیدا نہیں ہوئی بلکہ بیحد اُسکی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ اور یقین ہو گیا کہ یہ اُنہیں لوگوں میں سے ہے جن کی نسبت ارشاد ہوا ہے (اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ) (خدا کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں) لہذا مصمم ارادہ کر لیا کہ اُس کی خدمت میں رہے اور کل مذہبی باتوں میں اُس کی ہدایت کے موافق عمل کرے +

اصل کا جزیرہ کے حالات سلامان سے بیان کرنا

جب حی اپنی داستان بیان کر چکا تو اصل سے کہا اب یہ فرمائیے کہ آپ کہاں سے تشریف لائے۔ اور یہاں بسر اوقات کی کیا صورت ہے۔ اصل نے اول تو جہاں سے آیا تھا اُس جزیرہ کا اور وہاں کے باشندوں کا حال پھر اپنے علیحدہ ہونے اور یہاں آنے کی پوری کہانی کہہ سنائی۔ اثنائے داستان

ہیں عقبیٰ۔ جنت۔ دوزخ۔ قیامت۔ اعمالناموں کی پیشی۔ میزان کے قایم ہونے اور پلصراط سے گذرنے کا بھی اپنے مذہب کے مطابق ذکر کیا ٭

یہ سب باتیں نہایت آسانی سے حی کی سمجھ میں آگئیں کیونکہ ان میں سے کوئی بات بھی اُس مشاہدہ کے خلاف نہ تھی جو عالم محویت میں اُسے اکثر نصیب ہو چکا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ یہ بھید چاہے کسی شخص نے بھی ظاہر کئے ہوں مگر اس میں تو شک نہیں کہ اُس نے اپنی طرف سے ذرا بھی کمی بیشی نہیں کی ہے۔ بے کم و کاست سچے سچے حالات بیان کر دئے ہیں۔ آخر بہت غور و فکر کے بعد اس صادق اور امین شخص کی سچی اور پاکیزہ تعلیم ہی نے یقین دلایا کہ اصل کا خیال اس برگزیدہ شخص کی نسبت بالکل ٹھیک ہے۔ بے شبہ وہ خدا کا ایلچی تھا۔ غرض کہ وہ اس پیغمبر پر ایمان لایا۔ اُن تمام باتوں کے سچا ہونے کا اقرار کیا اور اُس کی نبوت کی گواہی دی ٭

اس کے بعد اُس نے دریافت کیا کہ اس پیغمبر نے اخلاق اور عبادت کی نسبت کیا ہدایتیں کی ہیں۔ چنانچہ اصل نے نماز۔ روزہ زکوۃ وغیرہ کے مسئلے اور عزیزوں۔ یتیموں اور مسکینوں وغیرہ کے ساتھ سلوک کرنے کی نسبت جو ہدایتیں اُس کے مذہب میں تھیں۔ سب بتائیں۔ چونکہ ان حکموں کے پہنچانے والے کی نسبت اُسکو پہلے ہی صادق اور امین ہونے کا یقین ہو چکا تھا۔ ان سب باتوں

کو خدا کے حکم سمجھ کر قبول کیا۔ اور اُسی وقت سے اُن پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ مگر باوجود اس کے دو باتیں اس پیغمبر کی عجیب معلوم ہوتی تھیں۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان میں کیا مصلحت ہے۔ اول تو یہ کہ اس پیغمبر نے جہاں خدا اور عالم آخرت کا ذکر کیا ہے تو تشبیہوں اور استعاروں سے کام لیا ہے۔ اور اسکی وجہ ہے جیسا اصل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہو گئے کہ لفظوں کے ظاہری اور لغوی معنی پر خیال کر کے خدا کو جسمانی سمجھنے لگے۔ حالانکہ وہ ذات پاک اس سے بالکل منزہ ہے۔ اسی طرح آخرت کے عذاب و ثواب کی نسبت بھی یہی غلط فہمی عام ہو گئی +

دوسرے یہ کہ اتنے تھوڑے سے حکموں کے بتلانے پر کیوں قناعت کی۔ مثلاً لوگوں کو دولت کی تلاش اور جمع کرنے سے کیوں نہیں روکا۔ اور کھانے پینے کے بارہ میں کیوں آزاد کر دیا۔ کہ جو چاہیں کھائیں پئیں اور چین منائیں۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر کوتاہ بین ناؤ نوش میں پڑ کر حق سے غافل ہو گئے۔ اُس کا خیال تھا کہ کھانے پینے کا جو اندازہ دانائے شیراز نے مقرر کر دیا ہے۔ یعنی خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است۔ اُس سے ایک ذرہ بھی کسی کو زیادہ نہ ملنا چاہیئے۔ اور مال و دولت کو تو وہ بالکل ہی فضول سمجھتا تھا + مذہب نے دولت کے صرف یعنی زکوٰۃ، خیرات۔ تجارت، سود

کفارہ اور جرمانہ وغیرہ کی بابت جو قواعد مقرر کیئے ہیں وہ بھی سب بے محل۔ بے ٹھکے اور بے ضرورت معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ اُس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر مذہب لوگوں کو حق بین و حق شناس بنا دیتا تو وہ خود ہی اُس متاع۔ غرور سے پرہیز کرتے اور حق کی طلب میں مصروف رہتے۔ اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ سب قاعدے فضول ہیں۔ نہ کسی شخص کو دولت کا مالک ہونے کا دعوے ہوتا نہ زبردستی اور خلاف مرضی اُس سے خیرات کرانے۔ سرقہ کے جرم میں ہاتھ کاٹنے اور لوٹ مار میں جانوں کے ضایع ہونے کی ضرورت ہوتی +

بنی نوع انسان سے ہمدردی

مگر یہ تمام خیالات ایک غلطی پر مبنی تھے۔ جس کا منشا صرف نا تجربہ کاری تھی یعنی سب انسانوں کو اپنی طرح سمجھدار ذہین اور مستقل مزاج تصوّر کیئے ہوئے تھا۔ بیچارے معصوم کو کیا خبر تھی کہ جن کو میں اتنا اچھا سمجھتا ہوں۔ وہ درحقیقت ایسے بے سمجھ۔ کودن اور جاہل ہیں کہ بہایم کی طرح بلکہ اُن سے بھی زیادہ بہکنے اور بھٹکنے والے ہیں[1] +

غرضکہ اُس کا رقیق دل ان خیالات سے ایسا متاثر ہوا اور بنی نوع کے حال زار پر ایسا ترس آیا کہ قطعی ارادہ کر لیا کہ جس طرح

[1] اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا (وہ مثل ڈھوروں کے ہیں بلکہ اُن سے بھی۔ یادہ گمراہ ہیں) اس آیۂ کریمہ سے اقتباس کیا ہے ۱۲

بھی ممکن ہو ان لوگوں سے ملنا اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے انکی نجات کا وسیلہ بننا چاہیئے۔ چنانچہ اصل کو اپنے منشا سے مطلع کر کے پوچھا کہ انسانوں تک پہنچنے کی بھی کوئی صورت ہے ٭

اصل کی ترغیب

اصل نے اول تو اُن لوگوں کی مفصل حالت بیان کر کے سمجھایا کہ وہ لوگ بالکل بے تمیز ہیں اور خدا کے حکموں کی اطاعت تو درکنار ایسے ذکر سے بھی گھبراتے ہیں مگر جب دیکھا کہ وہ ان مشکلوں کو ذرا بھی خیال میں نہیں لاتا اپنے ارادہ پر برابر جما ہوا ہے تو اصل کو بھی لالچ ہوا کہ شاید اسی شخص کے ذریعہ سے میرے چند دوست جن کے دل اَوروں کی نسبت نرم ہیں اور اس قدر خود سر اور راستی سے دور نہیں ہیں راہ راست پر آجائیں۔ چنانچہ وہ حی کا ساتھ دینے اور اُس کی مدد کرنے کو تیار ہو گیا ٭

اصل کا حی کے ساتھ سمندر کے کنارے جانا

مشورہ کے بعد دونو نے تجویز کی کہ سمندر کے کنارہ جھونپڑی ڈالنی چاہیئے اور جب تک اس کو پار کرنے کی کوئی صورت نہ نکلے دن رات وہیں رہنا چاہیئے۔ یعنی ایک کو اگر بضرورت کہیں جانا پڑے تو دوسرا موجود رہے۔ غرض خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے دونو نے سمندر کے کنارہ ڈیرہ ڈال دئے۔ اور لطیفہ غیبی کے انتظار میں اوقات گزارنے لگے۔ ہر وقت رحمت الٰہی کی تصویر یعنی ناپیدا کنار سمندر آنکھوں کے سامنے

تھا۔ آنکھیں اُس کے نظارہ میں مشغول تھیں اور دل یادِ خدا اور دعا میں مصروف کہ کارساز جلد اس کارِ خیر میں رہنمائی فرما اور آئینہ مراد میں شکل مقصود دکھا۔

آخر حکیم بحر و بر کے حکم سے ایک روز موجیں ایک جہاز کو جو راستہ بھٹک گیا تھا کشاں کشاں جزیرہ کے کنارے لے آئیں۔ جب خشکی بہت قریب رہ گئی۔ اور جہاز والوں نے دیکھا کہ دو انسان ساحل پر بیٹھے اس طرح ٹکٹکی باندھے جہاز کو دیکھ رہے ہیں کہ گویا ہمارے ہی منتظر اور شوق بغلگیری میں بے قرار ہیں تو اُنہوں نے بھی اُسی طرف کھینا شروع کر دیا جہاز کنارہ پر آ لگا۔ تو آصل نے اُن لوگوں سے بات چیت کر کے اپنا منشا ظاہر کیا اور درخواست کی کہ ہم کو بھی ہمراہی کی اجازت دیجئے تو بڑی نوازش ہو۔ وہ بہت خوشی سے رضامند ہو گئے اور دونو کو جہاز میں بٹھا لیا۔ چونکہ خدا کی عنایت شامل حال تھی۔ ہوا موافق چلنے لگی اور جلد منزل مقصود پر یعنی آصل کے جزیرہ میں پہنچ گئے۔ دونو رفیق اہل جہاز کا شکریہ ادا کر کے اُترے اور شہر میں داخل ہوئے۔

آصل کو اتنے زمانہ کے بعد خلاف اُمید دیکھ کر اُس کے دوست آشناؤں نے گھیر لیا۔ حی کی ہیئت کذائی دیکھ دیکھ کر ان لوگوں کو بے اختیار ہنسی آتی تھی۔ مگر کچھ متانت اور زیادہ تر آصل کے لحاظ سے چپ تھے۔ آخر بعض حضرات سے نہ رہا گیا۔ اور تمسخر اور حقارت

کے لہجہ میں وہی زبان سے پوچھ ہی بیٹھے کہ وہ آپ کی تعریف تو کیجئے مگر جب اصل نے ان سے حی کا تعارف کرایا اور اُس کے عجیب حالات بیان کئے۔ تو یہ کیفیت ہوئی کہ عجایب پرست لوگ چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ اور تعظیم و تکریم کا مینہ برسادیا۔ اب اصل نے حی سے کہاکہ یہ لوگ جو آپ کے گرد جمع ہیں اس جزیرے کے خواص میں سے ہیں اور سب سے زیادہ عقلمند اور ہوشیار ہیں۔ اگر ان کے دلوں پر آپ راستی کا نقش نہ بٹھا سکے تو سمجھ لیجئیگا کہ عوام کی اصلاح ناممکن ہے ؎

حی کی تبلیغ

اس جزیرہ کا بادشاہ وہی اصل کا دوست سلمان تھا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے کہ انسانوں میں مِل جُل کر رہنے کو برائیوں سے بچنے کا سب سے اچھا ذریعہ سمجھتا تھا۔ اور گوشہ نشینی و تنہائی کو ناپسند کرتا تھا۔ حی کے حالات سُن کر اُس کو بھی ملاقات کا اشتیاق ہوا اور مل کر نہایت خوش ہوا۔ کیونکہ اصل کی طرح اُسے بھی خفیف سی اُمید ہوئی کہ شاید یہ روشن ضمیر واعظ ان لوگوں کو گمراہی سے بچالے۔ سلمان کی درخواست سے حی نے وعظ شروع کیا۔ جب تک سیدھی سادی اور بدیہی باتیں بیان کرتا رہا چاروں طرف سے ماشاءاللہ اور سبحان اللہ کی آوازیں آتی رہیں مگر جونہی کہ بھیڑیا چال چھوڑ کر آزادی سے گفتگو کرنی شروع کی اور تحقیق کے میدان میں قدم رکھا۔ لوگوں نے کان کھڑے کئے۔ اپنے

موروثی اعتقادوں کی جو دلوں میں اسیطرح بیٹھ گئے جس طرح لوہے
میں زنگ - یوں مٹی خراب ہوتے دیکھ کر ... بلال ہوا - دل میں
تو جلے بھنے جاتے تھے - مگر ظاہر میں کچھ مہما ... کی رعایت سے
کچھ اصل کے خیال سے زبانی تعریف کر ...

اصلاح سے نا امیدی

حی نے ان لوگوں کی کشیدگی اور ... ن
دلجوئی اور مدارات ... کام لینا شر ... لی کڑوی
گولیاں شکر ملا ملا کر ... ب چڑھا کر
اور سونے کے ورق منڈ ... کوشش کی - مگر یہ
تقلید کے مریض ناد ... رح زیادہ ہی مچلتے اور
پچھاڑیں کھاتے گئے - ... تک آنے بھی نہ دیں - اور
ہاتھ مار مار کر گرا د ... دوا خود طبیب سے وہ نفرت بڑھی
کہ صورت دیکھ کر ... - تو یہ لوگ سرسری طور پر نیکی اور سچ
کے پسند کرنے والوں میں شمار ہو سکتے تھے - مگر ڈگر وہی اختیار
کیا تھا جس پر ... چلے تھے - کامل یقین تھا کہ اس سے ادھر
اُدھر قدم پڑا ... لڑھکے دوزخ میں پہنچے شعر

ترسم نرسی ... اعرابی کیں رہ تو میروی بترکستان

آخر ناصح مشفق کو ان لوگوں کی ہدایت اور اصلاح حالت سے جو انکو
خود کسی طرح منظور نہ تھی بالکل نا اُمیدی ہو گئی - کیونکہ اُس نے دیکھا
کہ میں جس طرح ... بھی سمجھاؤں - ان چکنے گھڑوں پر مطلق اثر نہیں ہوتا

ہر طبقہ - ہر فرقہ - ہر مرتبہ اور ہر حالت کے لوگ اپنی اپنی حالت میں مگن ہیں اپنی خواہش کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں -
خدا سے غافل کرنے والی چیزوں کی فراہمی
... کر رہے ہیں - یہاں تک کہ اسی خواہش
... جاری ... پھنے ہوئے اور اسی تلاش میں بھٹکتے بھٹکتے
قبر کے گڑھے ... کے بل گر پڑتے ہیں نصیحت کا اُن پر
طلق اثر نہیں ... ش کا صرف یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اِن کی
ہٹ اَور بڑھ جاتی ہے ... ذرہ بھی ان کے حصہ میں نہیں
آتا - نہ اُس تک رسائی نصیب ... معلوم - خدا نے ان کے
دلوں اور کانوں پر مُہر لگا دی ہے ... نوں پر پردہ پڑا ہوا ہے
اور ایک بڑا عذاب ان کے انتظار ... - عذاب کی دیگیوں
میں پڑے ہوئے ہیں اور سیاہ غلاف ... سے چڑھے ہوئے
ہیں - معدودے چند کے سوا سب نے د ... نیا کی کھیتی بنا رکھا
ہے - مذہبی احکام کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا ... مطلق اُن کی
پرواہ نہیں کرتے - تجارت اور کاروبار میں ایسے ... ہیں کہ خدا

لہ آیت قرآنی کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ... اُس سے خوش ہے جو اُس کے پاس ہے) اقتباس کیا گیا۔

۲ے ترجمہ ہے اس آیت شریفہ کا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ... سَمْعِهِمْ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِ...

کو بالکل بھول گئے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور سمجھا کہ کسی نصیحت کا ان پر کارگر ہونا ناممکن اور ہر مذہب نے جو معیار مقرر کیا ہے اُس کی حد سے آگے بڑھ کر کسی عمل کا اُن پر فرض کرنا سراسر خلاف مصلحت ہے۔ نیز یہ کہ مذہب جو فایدہ ان لوگوں کو پہنچانا چاہتا ہے وہ اسی زندگی کے متعلق ہے یعنی جب تک یہ اس دنیا میں رہیں قاعدہ اور انتظام سے زندگی بسر کریں۔ اور کوئی شخص اُن چیزوں کی بابت جن کا وہ اپنے زعم میں مالک ہے دوسروں سے لڑنے جھگڑنے اور مارنے مرنے نہ پائے ؂

ایں جہاں بر مثال مردار یست | کرگساں گرد او ہزار ہزار
آں مرایں را ہمی زند مخلب[1] | ویں مر آں را ہمی زند منقار[2]
آخر الامر بر پرند ہمہ | وز ہمہ باز ماند ایں مردار[3]

یہی آخرت کی آسودگی وہ تو انہیں لوگوں کا حصّہ ہے جنھوں نے دنیا کو دین کی کھیتی بنایا ہے[4]۔ سفر سے پہلے ہی کوچ اور مقام کی آسایش کا سامان روانہ کر چکے ہیں۔ اور راستہ کے نشیب و فراز سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔ یعنی نیک کردار اور طالب غفار ہیں مگر جس نے خدا کے حکم سے تجاوز کیا اور دنیا کی زندگی کو آخرت پر

---

[1] ناخن [2] چونچ [3] یہ اشعار اس حدیث کی شرح ہیں۔ اَلدُّنیَا جِیفَۃٌ وَّ طَالِبُھَا کِلَابٌ (دنیا ایک مردار ہے اور اس کے طلبگار کتے ہیں) [4] اَلدُّنیَا مَزرَعَۃُ الاٰخِرَۃِ۔ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے)۔

ترجیح دی۔ اُس کی جائے پناہ جہنم ہے[1]؂

اس سے بڑی مشقت اور اس سے زیادہ مصیبت کیا ہوسکتی ہے کہ انسان جب سے اُٹھے اور جب تک سوئے برابر مزدوری کرتا رہے۔ ان لوگوں میں ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو کوئی کام بغیر کسی نہ کسی دنیاوی اُجرت کی اُمید کے کرتا ہو۔ کوئی دولت کی تلاش میں تو کوئی عیش و عشرت کی جستجو میں ہے۔ کسی کو شہوت کی آگ نے بے قرار کر رکھا ہے۔ اُس پر پانی چھڑکنے کی فکر میں ہے۔ کسی کا سینہ انتقام اور غصہ کے دھکتے ہوئے کوئلوں سے پھک رہا ہے۔ دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ڈھونڈھتا ہے۔ کوئی حکومت کا خواستگار ہے کہ خود خوف سے چھوٹ کر دوسروں پر قیامت ڈھائے۔ اگر شاذ و نادر کوئی کسی ظاہری حکم مذہب کی تعمیل بھی کرتا ہے تو مشیخت یا کسی دنیاوی مصیبت سے بچنے کے لئے۔ اور یہ سب تاریکی بالائے تاریکی ہے[2]؂

[1] اس آیۂ شریفہ کا ترجمہ ہے۔ فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۔ [2] خدا کافروں کے اعمال و افعال کی نسبت فرماتا ہے أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۚ (یا مثل اُن تاریکیوں کے ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتی ہیں۔ جس پر موج ڈھکی ہو۔ اُس کے اوپر اور موج ہو۔ اُس کے اوپر بادل ہو۔ تاریکیاں ایک دوسرے کے اوپر)۔

غرض جب دیکھ لیا کہ انسان عموماً ڈھور بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ تو اطمینان ہو گیا۔ کہ پیغمبروں نے جو کچھ فرمایا ہے اور مذہب نے جو کچھ بنایا ہے عقلمندی و احتیاط اور کامیابی کا اُسی پر دار و مدار ہے اور کمی بیشی کی اُس میں بالکل گنجایش ہی نہیں ہے ان لوگوں میں سے ہر شخص سے قدرت کو ایک خاص کام لینا ہے اور جو کام جس کے ذمہ ہے اُس کو اُسی کے لئے موزون بنایا گیا ہے۔ شعر

ہر کسے را بہر کارے ساختند   میل او اندر دلش انداختند

مذہب کا قانون ہر زمانہ میں یہی رہا ہے وہ کبھی بدلتا نہیں ٭

پادری کا بہروپ اتارنا

اس کے بعد حی سلمان اور اُس کے رفیقوں سے ملنے گیا اور اب تک جو وعظ و نصیحت میں اُن کی اور اپنی تضیع اوقات کی تھی اُس کی معافی چاہی۔ کہنے لگا۔ میں نے جو آپ کے عقیدوں کے خلاف باتیں کیں اُس تمام ہرزہ سرائی کا مطلب صرف اتنا تھا کہ دیکھوں آپ اپنے مذہب کے کیسے پکے ہیں۔ ورنہ درحقیقت میرے عقیدے خود وہی ہیں جو آپ کے ہیں۔ الحمد للہ کہ آپ اس آزمایش میں پورے اُترے۔ لیجیے میں اب آخری اور واقعی نصیحت کرنے آیا ہوں یعنے جس طرح میرے بہکانے سے نہیں ڈگمگائے۔ اسی طرح آیندہ بھی اُمید ہے کہ اپنے عقیدوں میں ثابت قدم رہیئے گا۔ اور کسی کے دھوکے میں نہ آئے گا۔ مذہبی

رسموں اور ظاہری عبادتوں کی اس طرح پابندی اور عزت کیجئے گا۔ بے سروپا باتوں میں پڑکر جن سے آپ کو کوئی سروکار نہیں خیالات کو ڈانواں ڈول نہ کرنا چاہیئے۔ جب کسی بات میں شبہ ہو تو ہمیشہ قدیم رواج کی پیروی لازم ہے۔ مذہب کے معاملات میں نئے خیالات پاس نہ بھٹکنے پائیں۔ باپ دادا کی پیروی فرض ہے۔ بدعتوں سے سانپ بچھو سمجھ کر بچنا چاہیئے۔ مگر عام لوگوں کی طرح مذہب سے بے پروائی ہرگز ٹھیک نہیں اور دنیا کی محبت کو کبھی دل میں جگہ نہ دینی چاہیئے ٭

ان مصلحت آمیز نصیحتوں کی وجہ ظاہر ہے یعنی اب مثل اپنے دوست اصل کے اُس کو بھی یقین ہو گیا تھا۔ کہ ان بودے۔ آسانی سے بہکنے والے اور ادھورے انسانوں کے لئے اس کے سوا نجات کا کوئی اَور ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر زبردستی دھکا دیکر ان کو غور و فکر کی بلندی پر چڑھا بھی دیا جائے تو ان کی حالت اَور بری ہو جائیگی و گدھا میں پڑے بھٹکتے رہیں گے۔ لیکن اگر مرتے دم تک اپنی اصلی حالت میں رہے تو اُمید ہے کہ نجات ملے اور حشر کے روز سیدھے ہاتھ کی صف میں جگہ پائیں[1] ٭

---

[1] یہ بھی قرآن شریف سے اقتباس ہے۔ کلام مجید میں نجات پانے والوں کو کئی جگہ اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ اور اَصْحَابُ الْمَیْمَنَۃِ (یعنی سیدھے ہاتھ والوں کے لقب سے ملقب کیا ہے ۱۲

حیّ کا اصل کے ساتھ جزیرہ کو واپس آنا

اس نصیحت بلکہ وصیت کے بعد اَصل اور حیّ دونو مسلمان اور اُس کے ساتھیوں سے خیرباد کہہ کر رخصت ہوئے اور ایک جہاز میں سوار ہو کر مع الخیر پھر گوشۂ عافیت یعنی جزیرہ میں پہنچ گئے۔ حیّ نے دوبارہ کوشش کر کے پھر مراقبہ کے ذریعہ سے استغراق اور محو کی حالت حاصل کر لی۔ اور قدم بقدم چلتے چلتے اَصل بھی اس کے لگ بھگ آگیا۔ دونو رفیق بہت زمانہ تک اسی طرح کشف و تحقیق اور عبادت حق میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ مسیحائے اجل نے جسم کے وبال سے چھڑا کر زندہ جاوید بنا دیا +

خاتمہ

اس قصہ کی تحریر میں ہم نے لفظ وہ اختیار کئے ہیں جو نہ کسی کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ نہ گنوار اور عامیانہ بول چال میں آتے ہیں۔ اور خیالات اُس علم کے گنج مخفی سے لئے گئے ہیں جو خدا کو جاننے والوں کے سوا کسی کو نہیں آتا۔ اور نہ جاننے والوں کے سوا ہر ایک کو آتا ہے۔ درحقیقت ہم نے وہ بات کی ہے جو ہمارے بزرگوں کی سنّت کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہمیشہ ان موتیوں کو سینہ کے صندوق میں محفوظ رکھا۔ اور نظر ناآشنا سے بچایا۔ ہم جو ان صندوقوں کا قفل توڑنے اور نچھاور کرنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ اُس کی وجہ خاص یہ ہے۔ کہ ہمارے زمانہ میں بعض فلسفہ

کے مدعیوں نے ایسی فاسد رائیں اور ایسے من گھڑت خیال مختلف مقامات میں پھیلائے ہیں کہ اُن کا زہریلا اثر وبا کی طرح عام ہو گیا ہے اور اکثر کم سمجھ لوگ ان واہی تباہی باتوں پر ایسے فریفتہ ہو گئے ہیں۔ کہ پیغمبروں کی تعلیم کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ اسلئے ہمیں خوف ہوا کہیں یہ بے سمجھ لوگ ایسا نہ خیال کر بیٹھیں کہ سچا فلسفہ ایک راز سربستہ ہے جو قصداً ہم سے چھپایا جاتا ہے کیونکہ اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ بِمَا مُنِعَ (انسان کو جس چیز سے روکا جائے۔ اُس کی حرص ہوتی ہے) اس سے اُن کا اشتیاق اور بھی زیادہ ہو جائے گا۔ اور چونکہ خود راہِ طلب سے ناواقف ہیں اور خضر راہ کوئی ساتھ نہ ہوگا۔ ضروری ہے کہ غولان بیابانی کے ہتھے میں چڑھیں اور ہلاک ہوں اس لئے اس سر الاسرار کا فاش کرنا فرض ہوا۔ شاید سیدھے راستہ سے نہ بھٹکیں اور گمراہی سے بچ جائیں*

تاہم جو راز ان اوراق کے حوالہ کئے گئے ہیں۔ اُن پر ایک باریک نقاب پڑا ہوا ہے۔ عاشقان جانباز نہایت آسانی سے اس کو ہٹا کر شاہد مراد کا نورانی چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ مگر بوالہوس جسقدر رخِ حسنِ مستور کے دیکھنے کی ہوس کرینگے۔ اُسی قدر یہ نقاب موٹا اور گہرا ہو کر مانع دید ہوگا*

اب یہ نیاز مند ناظرین سے سمع خراشی کی معافی چاہتا ہے

اور اُمید کرتا ہے کہ ان نازک اور باریک باتوں کو ایسی بے
تکلفی اور آزادی سے بیان کر دینے پر ملامت نہ کرینگے۔ حضرات
یقین جانئے کہ اگر خاکسار خود اُس مقام عالی تک جو نظر انسانی
کی رسائی سے باہر ہے نہ پہنچ گیا ہوتا۔ اور جو کچھ لکھا ہے۔
آنکھوں سے نہ دیکھ لیا ہوتا۔ تو ھرگز ایسی جرأت نہ کرتا۔
نفع عام کی غرض سے جہاں تک ممکن تھا کوشش کی گئی ہے کہ
قصہ عام فہم ہو جائے۔ خدا سے دعا ہے کہ لغزشوں کو معاف
فرمائے۔ اور ہم سب کو یقینی اور سچے علم کی توفیق عطا کرے۔
آمین۔ اے برادر عزیز تجھے مژدہ ہو کہ تیری ترقی و فلاح کا حکم
پیشگاہ قضا سے جاری ہو چکا ہے۔ کارساز تجھ پر اپنا فضل و
کرم فرمائے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مترجم۔ فدا علی خاں۔ ایم۔ اے

اشاعت اسلام

اس ضخیم کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ اُن تمام واقعات و بواعث پر روشنی ڈالی گئی ہے جو اشاعت اسلام کے دوران میں پیش آتے رہے۔ اور جنکی وجہ سے اسلامی مشن کو عرب سے نکلکر تمام دنیا کو اپنے دائرہ اثر میں لانیکا موقع ملا۔ اشاعت اسلام کے اسباب و علل کے متعلق جسکی ہمہگیر مقدس طاقت نے زمانہ کو از خود جذب کر لیا تھا اس کتاب میں انتہائی وضاحت کے ساتھ ہر ایک پہلو سے تشریح کیگئی ہے اور ہر ایک واقعہ سلسلۂ علت و معلول کے ساتھ درج ہوا ہے۔ اشاعت اسلام کے متعلق اسوقت تک جتنے اعتراضات کئے جاتے اور تلوار کے ذریعہ سے اسلام پھیلنے کے جو خلاف واقع الزامات لگائے گئے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے اُن سب کی قطعی تردید ہو جاتی ہے۔ اسکا حجم ۵۸۴ صفحہ ہے اور اتنی بڑی ضخامت کے صرف آٹھ آنے قیمت رکھی گئی ہے تاکہ عام طور پر ہر ایک شخص کے ہاتھ میں پہونچ سکے۔ تالیف مسٹر شیر علی بی اے

جسمانی تعلیم

اس کتاب میں جدید تحقیقات کی رو سے اس مسئلہ کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ ایام تعلیم میں طلبہ کی صحت کے لئے کیا وسائل ضروری ہیں اور علمی دنیا نے اس شعبہ کیلئے کیا کیا مفید صورتیں لازمی قرار دی ہیں۔ از خواجہ لطف احمد بی۔ اے۔ قیمت ۴ر

عربوں کا فن تعمیر

اس کتاب میں ایک کامل الفن نقاد کی نظر سے اس موضوع پر بحث کیگئی ہے کہ اہل عرب نے فن تعمیر میں کس درجہ ترقی کی تھی۔ یونان و روم و فارس و مصر و ہندوستان کے فنون تعمیر میں انہوں نے کتنا اضافہ کیا اور انکا خاص فن تعمیر کیا تھا۔ دنیا میں جہاں جہاں اہل عرب کی عمارتی یادگاریں موجود ہیں سب کے مناظر دکھائے گئے ہیں اور سب کی خصوصیتوں پر ناقدانہ و محققانہ بحث کیگئی ہے۔ قیمت چار آنے ۴ر